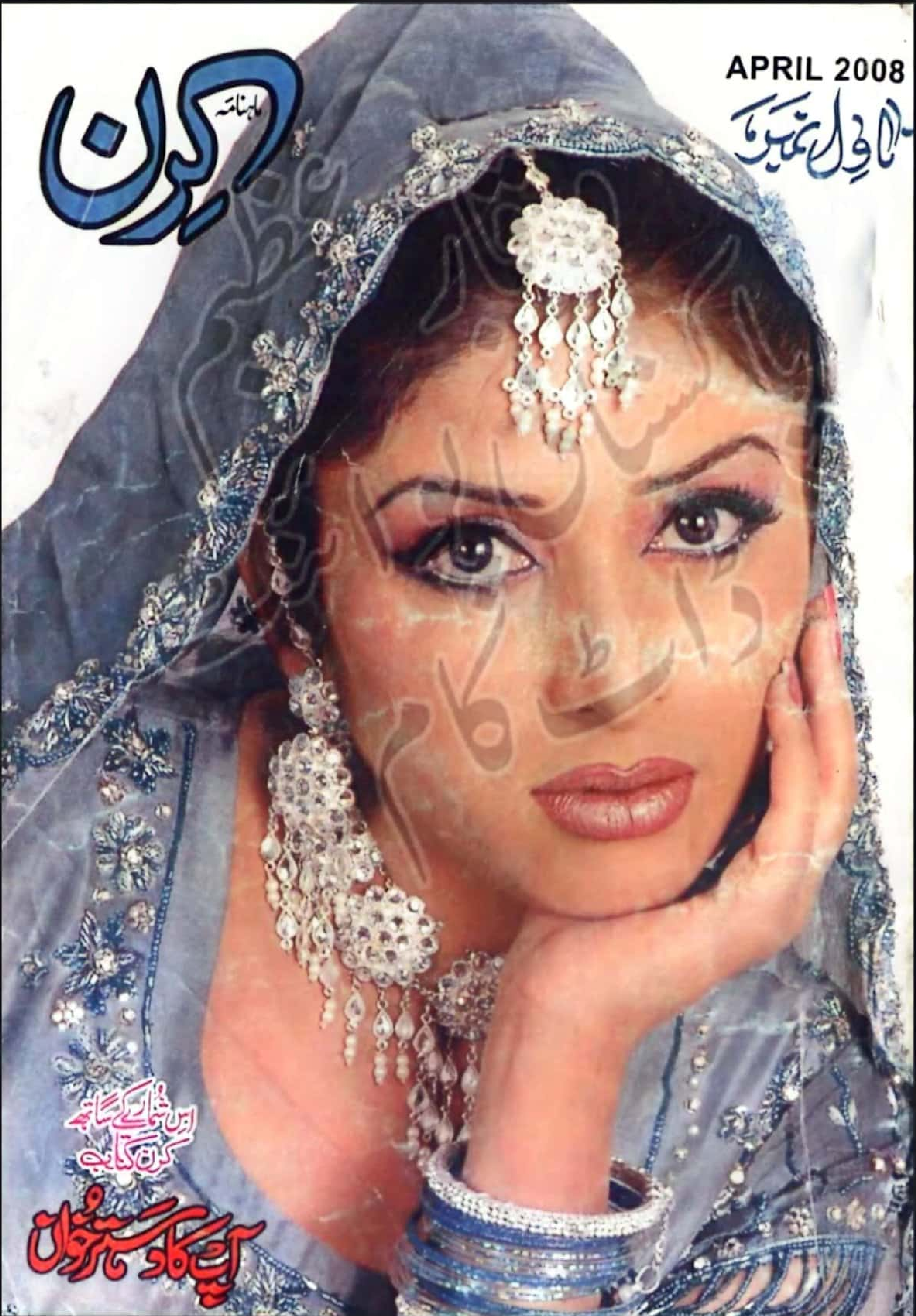
ماہنامہ
کرن
APRIL 2008
ناولِ نمبر
اس شمارے کے ساتھ
کرن کتاب
آپ کا دسترخوان

نادیہ امین

شکستِ فاتحانہ

digest novels lovers group ❤️❤️

قبرستان پر ہُو کا عالم تھا۔ خاموشی کی دبیز تہ نے سارے قبرستان پر سناٹا طاری کر دیا تھا۔ کہیں کہیں چڑیوں کی آواز اس خاموشی کے پردے کو پھاڑ دیتی تھی۔

مٹی کی کچی قبر سے اگر بتی کی خوشبو اس ماحول کو مزید خوفناک بنا رہی تھی اسے لگ رہا تھا جیسے وہ بھی اس ماحول کا حصہ بننے جا رہا ہو۔ گہرے دکھ کے باعث اس

مکمل ناول

کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ جسے بالا آخر اپنے ہاتھ سے وہ صاف کرنے لگا۔

اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پنج سورہ تھا جسے وہ بار بار پڑھ رہا تھا۔ دھیرے دھیرے قبرستان ہلکی ہلکی دھند کی لپیٹ میں آنے لگا۔ وہ جانے کتنی بار تلاوت کر چکا تھا جب وہ کچھ سر میں بھاری پن محسوس کرنے لگا تب اس نے تلاوت ختم کرتے ہوئے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے کچھ قدم دور کھڑے شوکت کی نظریں اسی پر تھیں۔ ایک لمحہ کو اس کی آنکھیں بھی بھر آگئی تھیں جنہیں صاف کر کے وہ اس کے قریب آکر کہنے لگا۔

"بس کرو اور اٹھو دیر ہو رہی ہے۔ چلو شاباش جلدی کرو۔" گردن موڑ کر بے خیالی سے اسے تکتے رہنے کے بعد وہ بادل ناخواستہ اٹھ گیا۔

واپسی میں بھی وہ دونوں خاموش رہے۔ یہ خاموشی گھر تک برقرار رہی۔ جس دن سے بلقیس کی وفات ہوئی تھی وہ اسی دن سے ہی یوں آزردہ اور پریشان تھا پریشانی کی وجہ گھر میں تھی۔ جس نے اپنے ساتھ ساتھ ان سب کو پریشان کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بلقیس بیگم گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھیں۔ کچھ عرصہ قبل ہی ان کا ٹرانسفر اس شہر میں ہو گیا تھا ان کا شوہر ایک اوباش عیاش دولت مند تھا۔ شراب و شباب ہی اس کی زندگی تھی چنانچہ بلقیس بیگم کافی عرصہ پہلے ہی اس سے علیحدہ ہو چکی تھیں۔ بھائی انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر میں رکھنا چاہتا تھا لیکن جاب کی وجہ سے انہیں مختلف علاقوں میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دینا ہوتی تھی۔ اس لیے وہ ان کے ہمراہ نہیں رہ سکتی تھیں کیونکہ وہ جاب ہرگز نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔

زویزان ان کا دور کا رشتے دار تھا اس کا بلقیس بیگم کے گھر آنا جانا تھا سردیوں کی رات تھی جب اسے صفا کی کال آئی تھی وہ بہت پریشان تھی اس کی ماں کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی جس کی وجہ سے گھبراہٹ میں اس نے اسی کو فون کیا۔ وہ فوراً بلقیس بیگم کو ہسپتال لے گیا تھا جہاں پندرہ دن وہ ایڈمٹ رہی تھیں اور پھر بالا آخر زندگی سے ہار گئی تھیں ان کی موت سے کچھ دن پہلے ان کی سسرال والوں نے خوب ہنگامہ کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ دادا کی طرف سے ملنے والی جائیداد جو کہ اس کی ماں کو بطور حق مہر دی تھی اور ملا

نے بیٹی کے نام کر دی تھی۔ صفا کو نہیں ملنی چاہیے ان کا کہنا تھا کہ چونکہ وہ لڑکی ذات ہے اس لیے اس کا اتنا حق نہیں بنتا۔
جتنا کہ اس کے چچازاد بھائیوں کا بنتا ہے۔

انہوں نے ایک نیا شوشا یہ چھوڑا کہ گلریز کی بات صفا سے طے کر دی جائے۔ گلریز ایک عیاش و اوباش قسم کا لڑکا تھا۔ بلقیس اس بات پر بالکل رضامند نہیں تھیں اسی تو تو میں میں ان کی ٹینشن اتنی بڑھی کہ ان کا بی پی ہائی ہوا اور یوں وہ ہمیشہ کے لیے اس ذمہ داری سے بری الذمہ ہو گئی تھیں مگر جاتے جاتے اپنی ذمہ داری زویزان کو سونپ گئی تھیں۔

وہ اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اسے اپنے ساتھ رکھنا اس کی مجبوری تھی پر وہ اس کے لیے بہت زیادہ فکر مند تھا۔

جس قسم کے حالات کے دباؤ میں وہ آ گئی تھی۔ ایسے میں اسے اداس ہونا ہی تھا۔ وہ اس کی دلجوئی کرتا رہتا تھا۔ جس عمر میں وہ یتیم ہوئی تھی اس عمر میں تو اولاد کو ماں باپ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اب بھی اس کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔ وہ اسے خاموش نظروں سے تکے جا رہا تھا۔ وہ کم عمر تھی لاابالی تھی اگر وہ اسے بہلاتا تھا تو وہ مان جاتی تھی اب بھی وہ اسے مایوسی اور ناامیدی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالنے کی باتیں کرنے لگا تھا۔ حالات بہتر ہونے کی 'خود کو اکیلا نہ سمجھنے کی۔

پھر شوکت بھی اسے رسان سے سمجھانے لگا تھا۔

"مرے ہوئے کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔" وہ اسے اکثر یہی کہتا تھا۔ بالآخر اسے صبر آ ہی گیا۔ وہ کالج جانے لگی تھی۔ یوں کالج آنے جانے سے بھی طبیعت کی اداسی دور ہو گئی تھی۔ کبھی کبھار وہ یوں رونا شروع کر دیتی تھی کہ سارا گھر سر پر اٹھا لیتی تھی۔ ایسے وقت میں سوائے شوکت کے کوئی اسے چپ نہ کرا سکتا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر زویزان شدید ڈیپریس ہو جاتا تھا۔ لیکن گزرتا وقت مرہم ہوتا ہے۔ انسان کو صبر کرنا سکھا دیتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ نارمل ہونے لگی تھی۔

زویزان بھی اب کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ باقاعدگی سے کالج جانے لگی تھی۔

زویزان کے لیے یہ بات تسلی بخش تھی۔ وہ یہاں ایڈجسٹ کر چکی تھی۔

آج بھی کالج سے آنے کے بعد وہ سو گئی تھی کافی دیر تک اچھی نیند لینے کے بعد وہ اب بالکل فریش تھی۔ وہ کمرے سے نکل کر چائے پینے کی غرض سے کچن میں آئی ملازمہ پہلے ہی سے چائے بنانے میں مصروف تھی۔ وہ خوش ہو کر بولی۔

"میں بالکل ٹھیک وقت پر آئی ہوں صغورا خالہ میرے لیے بھی ایک کپ بنا دیں۔" وہ واپس لاؤنج میں آئی پھر ٹی وی آن کر کے چینل سرچنگ میں مصروف ہو گئی۔ زویزان کو آتے دیکھ کر اس نے والیوم کم کر دیا اور اسے سلام کیا۔ اس کے سلام کا جواب دے کر وہ ہاتھ میں پکڑے اخبار کو رول کر کے صوفے پر بیٹھ گیا۔

ایک لمحہ کو صفا پر نظر ڈالنے کے بعد وہ اخبار کھول کر اپنی نظریں اس پر جما چکا تھا۔ اسی دوران صغورا خالہ چائے لے کر آ گئی تھیں۔ دونوں کو کپ دے کر وہ چلی گئیں۔

"کچھ کہنا ہے؟" زویزان کے الفاظ پر وہ حیرت زدہ رہ گئی آخر اس نے کیسے بھانپ لیا کہ اسے کچھ کہنا ہے۔ پھر اس پر مزید سوچنے کے بجائے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کہو" اب کی بار زویزان کی نظریں براہ راست اس کے چہرے پر تھیں۔ وہ ایک لاپروا اور لاابالی لڑکی تھی۔ اس وقت وہ لائٹ بلیو جینز پر وائٹ شرٹ پہنی ہوئی تھی۔

آستین کے بٹن کھلے تھے۔ ڈھیلی ڈھالی شرٹ پر دوپٹے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ اس کے حلیے کو بغور ملاحظہ کر رہا تھا۔ اس لمحے اس کا حلیہ اسے خاصا ناگوار گزرا۔ لیکن پہلے وہ اس کی وہ بات سننا چاہتا تھا جو وہ کہنا چاہتی تھی سو وہ کہنے لگی۔

"انہوں نے ہماری زندگی اجیرن کر دی تھی۔"

digest novels lovers group

ہر وقت ایک ہی گردان ساری جائیداد میں سے سب کا سب ہمارا ہے وہ بڑے غنڈے ہیں ان کی غنڈہ گردی کو۔" یکدم اس کی زبان کو بریک لگا۔ اس کی پیشانی پر پانی کے قطرے پھسلنے لگے تھے۔ جسے اس نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا تھا۔ وہ اس کی بات سن رہا تھا یا نہیں اس کا اندازہ اسے مکمل طور پر نہیں ہو پا رہا تھا اس نے دھیرے دھیرے سر اٹھا کر ذرا سی ذرا اس کے چہرے کی طرف دیکھا کہ آیا۔ غنڈہ والی بات پر اس کا کیا رد عمل ہے۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر گہرا اطمینان ہوا کہ وہ مکمل طور پر اپنی چائے کی جانب متوجہ تھا۔ جہاں سے سلسلہ کلام ٹوٹا تھا۔ وہیں سے پھر جوڑتا تھا۔ وہ ایک بار پھر ایک گہری سانس لے کر شروع ہو گئی۔

"ان ہی کی وجہ سے میری امی کی یہ حالت ہوئی۔ مجھے تنگ کرتا تو الگ وہ بے ہودہ گلریز تو میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ شادی کے لیے مجھے مجبور کرتا رہتا تھا۔ اغوا کی دھمکیاں دیتا تھا۔ اگر میں سچ مچ اغوا ہو گئی تو کیا ہو گا۔ وہ بہت بڑا بدمعاش ہے۔" یہ کہتے ہی ایک بار پھر سے وہ رک گئی تھی۔

ڈرتے ڈرتے اس کے چہرے پر اک نظر ڈال کر بات سنبھالنے کی غرض سے کہنے لگی۔

"میرا مطلب ہے کہ وہ آوارہ ہے۔" بدمعاش کا لفظ حذف کر دیا گیا تھا۔ اس لفظ سے سامنے والے کی عزت نفس مجروح ہو سکتی تھی یہ قیاس لگاتے ہی اس نے بات بدلی تھی۔ لیکن اسے جلد ہی محسوس ہوا کہ وہ بے زاری شکل بنائے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اسے سن رہا ہے۔

"تم کالج جا رہی ہو یا نہیں۔" اس کی بات نے اس کی سوچ کی تصدیق کر دی تھی اس لیے نہایت سپاٹ سے انداز میں اس نے کہا تھا۔

"جا رہی ہوں۔"

"وقت کے ساتھ ہی جا رہی ہو نا۔" ایک بار پھر وہ پوچھنے لگا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ جس پر وہ کہنے لگا۔

"یہاں رہنا ہے تو ڈھنگ سے منہ اٹھا کر ادھر ادھر نکلنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں مرد آتے رہتے ہیں کوئی نہیں جانتا تمہاری موجودگی کے بارے میں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ کسی کو خبر بھی ہو۔ یہاں ہر قسم کے مرد آتے ہیں۔ ان کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں کہیں اور نہیں رکھ سکتا فی الحال تم یہیں رہو گی بعد میں تمہارا انتظام کہیں اور کر لوں گا۔ اور آئندہ اس قسم کے حلیے میں نظر نہ آؤ مجھے۔"

اس نے اس کی پینٹ اور شرٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کے اشارے پر اس نے بھی خود پر ایک ناقدانہ نظر ڈالی تھی۔ اس کی بات سے اسے شدید رنج ہوا تھا۔ یعنی وہ اب اس کی مرضی سے ڈریس اپ ہوا کرے گی۔ اسے اس کی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔ تب ہی اس کے چہرے سے اس کی خفگی کا اظہار ہونے لگا تھا۔ لیکن وہ بندہ شاید چہرے کو پڑھنا نہیں جانتا تھا وہ اس کے دل کا حال جانے بغیر اسے ہدایات دے رہا تھا۔

وہ اٹھ کر چلا گیا اور وہ اس کی باتوں پر سوچتی اپنے کمرے میں آ گئی۔ لائٹ پنک کلر کی بیڈ شیٹ پر لیٹی وہ اپنی پچھلی زندگی کے حسین یادوں کو سوچ رہی تھی۔ اسے اپنی ماں یاد آ رہی تھی' اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ انہیں یوں کھو دے گی لیکن وہ اسے کھو چکی تھی۔ کئی آنسو پلکوں کی باڑھ سے نکل کر اس کے چہرے کو بھگو کر اس کی قمیص میں جذب ہو گئے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ غم انسان کو مار ڈالتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہوتا تو وہ اپنی ماں کو کھونے کے اس شدید غم کے باعث مر جاتی لیکن وہ تو زندہ تھی۔ یعنی غم انسان کو ادھ موا کر دیتا ہے' پر اس کی جان نہیں لیتا۔ کوئی کسی کے مرنے پر نہیں مرا کرتا۔ وہ الٹا سیدھا سوچتی ہوئی تکیے کو بازوؤں میں بھینچ کر رونے لگی۔ ماں کی گود میں سر رکھ کر سونے والی اب اس کی یاد کے ساتھ رو رہی تھی۔ یہ اس کی بد قسمتی ہی تو تھی۔ دنیا میں ایسے بہت بد نصیب ہوتے ہیں جو اس ٹھنڈی چھاؤں سے محروم

ہوتے ہیں لیکن.....
ان میں سے ایک وہ بھی تو تھا۔

☼ ☼ ☼

یہاں سوائے بوریت کے کچھ نہیں تھا جو یہاں لے کر آیا تھا۔ وہ تو شاید اس کو بھول گیا تھا۔ اس کی روٹین اسے بالکل ڈل اور بور کر رہی تھی۔ اس وقت بھی اپنے لیے چائے بنا کر وہ کپ ہاتھ میں لیے باہر آئی۔ گیسٹ روم سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ گیسٹ روم کا ایک دروازہ چونکہ برآمدے میں تھا، اس لیے اسے باتوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ بے خیالی میں اس نے گیسٹ روم کا دروازہ کھولا اور جھانکنے لگی لیکن یکدم وہ سٹپٹا گئی۔ وہاں ایک دو نہیں، پورے پندرہ سولہ مرد تھے۔ سب کے سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ وہ گھبرا کر جلدی سے دروازہ بند کر گئی۔ اس نے اکثر کے چہروں پر مسکراہٹ دیکھی تھی اور اس نے اپنی طرف دیکھتے زویزان کی نظروں کو بھی نوٹ کیا تھا۔

وہ تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آئی تھی۔

بے وقوفی کی اس نے حد کر دی تھی۔ یکایک اس کی توجہ اپنے حلیے کی جانب مبذول ہو گئی۔ وہ بلیو جینز اور وائٹ شرٹ میں ملبوس تھی۔

"اب کیا ہو گا۔" وہ حقیقی معنوں میں ڈر گئی تھی اب وہ بے چینی سے سارے کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی۔

رات کے کھانے پر اسے ملازمہ بلانے آئی تھی۔ وہ اطلاع دیتی چلی گئی۔ اسے شدید بھوک لگ رہی تھی اور پھر اس کے خیال میں اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی کہ جو مرنے مارنے والی ہو۔ وہ خود کو ڈھارس دیتی ڈائننگ روم میں چلی آئی۔ سلام خود بخود منہ سے بے وقت نکلا تو فوراً" ہی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اس کے سلام کا جواب دیا اور خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔ وہ بھی کھا رہی تھی مگر نوالے حلق میں پھنس رہے تھے۔ بھوک شدید تھی لیکن دل نہیں چاہ رہا تھا۔

دو چار لقمے زہر مار کرنے کے بعد وہ اٹھ گئی۔ اسے اٹھتے دیکھ کر وہ بولا۔

"بیٹھ جاؤ اور کھانا کھاؤ۔"

"مجھے بھوک نہیں۔" وہ منمنائی۔

"میرے کمرے میں جاؤ، میں آ رہا ہوں۔ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔" اسے اپنے کمرے میں جانے کا حکم دے کر وہ سویٹ ڈش اپنی پلیٹ میں نکالنے لگا جسے دیکھ کر اس کے منہ میں بے ساختہ پانی بھر آیا لیکن چونکہ وہ "بھوک نہیں ہے" کہہ چکی تھی اس لیے اسے جانا پڑا۔ وہ مردہ قدموں سے اس کے کمرے میں آ گئی اور بیڈ پر پاؤں لٹکائے لیٹ گئی۔ ذہن میں مناسب الفاظ ترتیب دے کر وہ اپنے بچاؤ کی راہیں تلاش کر رہی تھی۔ ڈانٹ یقینی تھی، اس لیے بچاؤ کے بہانے گھڑنے لگی۔ وہ کچھ دیر بعد اندر آیا، اسے یوں لیٹے دیکھ کر اس نے بحالت مجبوری دروازے پر دستک دی۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھی اور سر جھکا گئی۔ وہ کارنر میں پڑی کرسی اٹھا کر بیڈ سے ذرا فاصلے پر رکھ کر اس پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"جب میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم منہ اٹھائے ادھر ادھر نہیں جھانکتی پھرو گی تو اس کے باوجود تم کیوں ادھر آئیں۔" اس کا لہجہ دھیما مگر انداز سخت تھا۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ وہاں اتنے مرد ہوں گے۔" اس کے دفاعی جملے کو آگے بڑھنے سے روکتے ہوئے وہ فوراً" جواباً" بولا۔

"جب تمہیں پتہ تھا کہ اندر کوئی ہے تو اندر آنے کی ضرورت کیا تھی۔" اب کی بار وہ سخت لہجے میں بولا۔

"غلطی ہو گئی۔" اس نے فوراً" اعتراف کر لیا۔ وہ پہلے پہل تو اسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر گویا ہوا۔

"منع کیا تھا نا میں نے کہ مجھے اس لباس میں نظر نہ آؤ۔" دونوں بازو کرسی کے ہینڈل پر جمائے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بنائے وہ اسے سخت نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

digest novels lovers group

"میرے پاس یہی ڈریسز ہیں۔ میں کہاں سے لاؤں باقی کپڑے۔"

"کل تم شوکت اور صفورا خالہ کے ساتھ جانا' وہاں سے ڈھنگ کے کپڑے خریدو اور یہ سارے کپڑے تم پھینک دو یا کسی کو دے دو۔ آئندہ میں نہ دیکھوں۔" وہ اسے وارن کررہا تھا۔ اس کے الفاظ پر اس نے بے پناہ شرمندگی محسوس کی تھی۔ گردن کچھ اور بھی جھک گئی۔

"جاؤ اب۔" اجازت ملتے ہی وہ سرعت سے اٹھی اور اس کے کمرے سے نکل کر ایک پرسکون سانس لے کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ وہ سیکنڈ ایئر میں تھی۔ وہ کالج باقاعدگی سے جارہی تھی۔ گلریز والا معاملہ ٹل گیا تھا۔ زویزان کے سمجھانے پر وہ باآسانی "سمجھ" گیا تھا۔ یہاں آکر وہ اب کافی مطمئن تھی۔ اب اسے کسی قسم کا کوئی خوف و ہراس نہ تھا۔ اب وہ یکسوئی سے پڑھ سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اسے ہر مہینہ باقاعدگی سے رقم دیا کرتا تھا۔ اب بھی وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ "کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے کہو۔ اگر میں نہ ہوں تو شوکت سے کہہ دیا کرنا۔" وہ اثبات میں سرہلا گئی۔ اس کے جاتے ہی وہ پھر سے اپنے اسائنمنٹ کی جانب متوجہ ہوگئی لیکن ذہن کہیں اور تھا۔ وہ کسی اور دیس کی خاک چھان رہا تھا۔

گلاس ونڈو کے پاس کھڑی وہ باہر لان میں موجود حضرات کو دیکھے جارہی تھی۔ وہ سب جوس کے گلاس ہاتھ میں پکڑے آپس میں بول رہے تھے۔ وہ بھی ان سب کے درمیان موجود تھا۔ لیکن وہ ان سب میں مختلف تھا۔ وہ یونانی دیوتاؤں جیسا حسن رکھتا تھا۔ وہ کسی بات پر مسکرا رہا تھا۔ وہ دور سے ہی اس کی مسکراہٹ کو دیکھنے لگی۔ بے ساختہ اس کے دل سے ایک شکوہ ابھرا۔ وہ تو کبھی اس کے سامنے نہیں مسکرایا۔ شاید اس کی ذات ہی اتنی تکلیف دہ ہے کہ اس سے اس کی مسکراہٹ ہی چھن گئی ہے۔ اس شکوے نے خفگی اور پھر غصے کی شکل اختیار کرلی' اس لیے اس نے پردہ کھینچ لیا اور واپس آکر میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی۔

شوکت کے ہمراہ وہ شاپنگ کرنے گئی تھی' اس نے اپنے لیے موسم کی مناسبت سے کپڑے اور کچھ جوتے وغیرہ خریدے ٹیلر کو کپڑے دے کر وہ گھر آنے کے بجائے ایک فرینڈ کے گھر چلی گئی۔ اس نے شوکت کو بعد میں پک کرنے کا کہا تھا۔ شوکت اس کو چھوڑ کر چلا آیا۔ شوکت کو تنہا آتے دیکھ کر زویزان نے صفا کے بارے میں پوچھا۔

"وہ اپنی دوست کے گھر گئی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ بعد میں لینے آجانا۔" شوکت اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولا۔

ان دونوں میں کافی بے تکلفی تھی۔ شوکت کی بات پر اس کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ کچھ دیر بعد اس نے شوکت کو اسے لینے بھیجا' وہ

سنجیو کپور کی کتاب "کھانا خزانہ" کی کامیابی کے بعد لذیذ کھانوں کی ترکیبیں

انڈین کھانے

سنجیو کپور

قیمت=/250 روپے

ڈاک خرچ=/30 روپے

آج ہی گھر بیٹھے منگوانے کے لیے

=/280 روپے کا منی آرڈر یا ڈرافٹ

ارسال کریں

منگوانے کا پتا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی

فون نمبر 2216361

اس کے ساتھ آتو گئی لیکن چہرے پر ناراضی لیے۔
"آئندہ جب بھی کہیں جانا ہو، مجھ سے پوچھ کر جانا۔ بغیر بتائے تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" شوکت کے جانے کے بعد یہ بات اس نے صفیا سے کہی تھی۔
"میں اپنی دوست کے گھر گئی تھی۔" اس نے دوبدو جواب دیتے ہوئے کہا تو وہ نہایت سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔
"آئندہ پوچھ کر جانا، میں نے یہ کہا ہے۔" اس نے خاموشی اختیار کرلی۔
وہ نوٹ کر رہی تھی کہ وہ کچھ پریشان سا ہے، کچھ الجھا ہوا۔ وہ سارا سارا دن گھر سے غائب رہتا لیکن رات کو گھر لوٹ آتا۔ ایک دن اس پریشانی کی وجہ سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ اب مزید احکامات صادر ہوں گے۔ وہ بیڈ سے ٹیک لگائے، اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے آتے ہی وہ اٹھ کر نیچے کارپٹ پر رکھے کشن پر بیٹھ گیا۔ اسے بھی پاس پڑے کشن پر بیٹھنے کو کہا۔ بات شروع کرنے میں دقت پیش آرہی تھی لیکن کرنی ضروری تھی، اس لیے وہ بول پڑا۔
"دیکھو، میں جو کہنے جا رہا ہوں، وہ تم غور سے سننا اور سمجھ بھی لینا۔ میں تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتا۔ میرے بارے میں میرے حالات کے بارے میں تم جانتی ہو۔ یہاں آنے والے لوگوں کے بارے میں تم جانتی ہو۔ یہاں ہر قماش کے لوگ آتے ہیں۔ یہاں تم تنہا ہو۔ کام کے سلسلے میں میں دوسرے شہر یا کہیں بھی آتا جاتا رہتا ہوں۔ میں تمہیں یہاں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ میرے سو دشمن اور سو دوست ہیں۔ کوئی پتہ نہیں صحیح کیا ہے، غلط کیا ہے۔ میرے حوالے سے تمہیں نقصان پہنچایا جاسکتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہیں ایسی کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔" وہ دھیمے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے بول رہا تھا جبکہ وہ حیرت سے آنکھیں اس کے چہرے پر جمائے اس کی اس بات میں چھپے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اب بھی الجھن اور پریشانی کے عکس نمایاں تھے۔
"میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں تمہاری شادی کردوں۔" وہ دھماکا کرتے ہوئے بولا جبکہ وہ حیرت سے گم صم اسے دیکھ رہی تھی۔
"میرا ایک دوست ہے، وہ بہت شریف اور پڑھا لکھا بندہ ہے۔ انجینئر ہے۔ اس کی فیملی بھی اچھی ہے۔ وہ تم سے شادی کرنے کو تیار ہے، شکل وصورت کا بھی اچھا ہے۔ اگر تم ملنا چاہو تو میں اسے ملوادوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ شادی جلد از جلد ہو۔" وہ کچھ پل کے لیے رکا جبکہ وہ دم بخود ہو کر اسے دیکھے جارہی تھی۔
یعنی وہ اس درد سر سے چھٹکارا پانا چاہتا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی اور وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔
"مجھے شادی نہیں کرنی۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بولی۔
"یہاں اگر تم مجھے نہیں رکھ سکتے تو کوئی بات نہیں۔ میں اپنے گھر چلی جاؤں گی وہیں رہوں گی۔ میرے فرض سے چھٹکارا پانے کی جو صورت تم نے نکالی ہے، وہ مجھے ہرگز قبول نہیں ہے۔" وہ بدتمیزی سے کہتی اٹھ گئی۔
"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" وہ بھی اٹھ گیا۔
"میں صرف اور صرف تمہارے بہتر مستقبل کے لیے ایسا کر رہا ہوں اور ایسا کرنا ضروری ہے۔" وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔
"مجھے نہیں کرنی شادی۔" وہ چلا اٹھی۔
"مجھے گھر جانا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گئی۔ اس کی الجھن میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ اس کا انکار اس کی الجھن کو بڑھا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اے سی آن کیے اپنے بستر پر دراز ہو کر کتاب پڑھ رہا تھا جب موبائل کی بیل بج اٹھی تھی۔ اس نے کال

digest novels lovers group

ریسیو کی۔ دوسری جانب شوکت تھا۔

"ہاں کہو۔" وہ حیران ہوا۔ شوکت صفا کو لینے گیا تھا تو اس وقت اس کی کال کیوں آ گئی۔

"وہ صفا تو ساتھ جانے سے انکاری ہے۔ کہہ رہی ہے کہ اپنے گھر جاؤں گی۔" اس کی بات نے زویزان کو تپا دیا تھا۔

"کہاں ہے وہ۔"

"وہ پیدل ہی چل پڑی ہے۔" وہ مزید بولا۔

"ٹھیک ہے، میں آ رہا ہوں۔" بستر سے اٹھ کر اس نے جوتے پہنے، گلاسز اٹھا کر وہ باہر آیا۔ صفدر کو ڈرائیور کے پاس بھیج کر گاڑی نکالنے کو کہا۔ ڈرائیور کے آتے ہی وہ صفدر اور ریحان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا۔ اب گاڑی کالج جا رہی تھی۔ وہ فٹ پاتھ پر پیدل جا رہی تھی جبکہ شوکت کی گاڑی کچھ فاصلے پر کھڑی تھی اور شوکت اس کے ہمراہ ہی تھا۔ اس نے اشارے سے شوکت کو روکا اور ڈرائیور کو گاڑی سائیڈ پر روکنے کو کہا۔ اب وہ بس کے انتظار میں کھڑی آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسی اثنا میں اس نے ایک لڑکے کو اس کے قریب جاتے دیکھا۔ وہ مسلسل اسے گھور رہا تھا جبکہ وہ اس سے لاتعلق نظر آ رہی تھی۔ لڑکے کی حرکتیں ناقابل برداشت تھیں۔ اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔

"جاؤ ریحان! بلاؤ اسے۔" اس نے پچھلی سیٹ پر براجمان ریحان سے کہا۔ ریحان اس کے پاس گیا لیکن کچھ پل بعد مایوس سی شکل بنائے چلا آیا۔

"وہ نہیں آ رہیں۔"

وہ خود ہی گاڑی سے اترا، وہ اسے اپنی جانب آتا دیکھ چکی تھی لیکن انجان بن گئی۔ وہ اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"چلو آؤ۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔

"نہیں، میں اپنے گھر جاؤں گی۔" وہ اٹل و قطعی لہجے میں بولی۔ اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کی کلائی پر مضبوطی سے ہاتھ جمائے اسے کھینچتا ہوا اپنی گاڑی کی جانب بڑھا گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے اسے اندر کی جانب پٹخا اور اس قدر زور سے پٹخنے میں اس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا۔ وہ خود بھی بیٹھ گیا۔

"ریحان اور صفدر...... تم دونوں اس لڑکے کے پاس جاؤ اور اسے ذرا سبق سکھاؤ۔" وہ دونوں اس لڑکے کے پاس چلے گئے۔ صفا بار بار زویزان کو انہیں روکنے کا کہہ رہی تھی لیکن وہ بالکل نہیں سن رہا تھا۔

"آپ منع کریں انہیں، ورنہ میں...." اس کی طرف سے کوئی ردعمل نہ پا کر وہ دروازہ کھولنے لگی تھی۔ جب پھرتی سے اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی سے اترنے سے روکا۔

"وہ مر جائے گا۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ کچھ پل تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے کھڑکی سے سر نکال کر

سنجیو کپور کی کتاب "کھانا خزانہ" کی کامیابی
کے بعد لذیذ کھانوں کی ترکیبیں
انڈین کھانے
سنجیو کپور
قیمت : 250/= روپے
ڈاک خرچ : 30/= روپے
آج ہی گھر بیٹھے منگوانے کے لئے
280/= روپے کا منی آرڈر یا ڈرافٹ
ارسال کریں۔
منگوانے کا پتہ
مکتبۂ عمران ڈائجسٹ
37۔ اردو بازار، کراچی
فون: 2216361

انہیں ہاتھ سے اشارہ کر کے واپس آنے کو کہا۔ وہ دونوں واپس آ گئے' ان کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ گلاسز آنکھوں پر چڑھائے وہ اس وقت بالکل ریلیکس موڈ میں دکھائی دے رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ دونوں آستینیں فولڈ کیے وہ صفا یعقوب کو بہت سفاک لگا تھا۔ گھر آنے کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا تھا' نہ ہی کچھ پوچھا تھا۔ اس دن صفا کو اس پر شدید غصہ آیا تھا۔

✵ ✵ ✵

وہ سمجھتی تھی کہ اس کے اس قدر شدید رد عمل کے بعد بلا سے سر ٹل گئی ہو گی لیکن بات ٹلی نہیں تھی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی فلم دیکھ رہی تھی' جب وہ باہر سے آیا۔ اسے لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک تو وہ اس سے اسٹڈیز کے بارے میں پوچھتا رہا پھر یکدم موضوع بدلتے ہوئے بولا۔

"پھر کیا سوچا تم نے شادی کے بارے میں۔" ایک بار پھر وہ اسے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"کس بارے میں؟" وہ نہایت ترشی سے کہتی بالکل انجان بن گئی۔

"یہی کہ میں تمہاری شادی کروانا چاہتا ہوں۔" اس نے بھی بغیر لگی لپٹی رکھے' جواب دیا۔

"میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ میں شادی کرنا نہیں چاہتی۔ میں فی الحال پڑھنا چاہتی ہوں۔" اس نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"تم شادی کے بعد بھی پڑھ سکتی ہو۔ کمال تمہاری شادی کے بعد تمہاری پڑھائی پر کوئی پابندی نہیں لگا رہا۔" اس نے یہ بہانہ بھی رد کر دیا۔

"لیکن میں کسی صورت یہ شادی نہیں کر سکتی اور نہ ہی کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟" اس نے اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے کچھ کھوجنا چاہا تھا۔

"بس مجھے یہاں شادی نہیں کرنی۔" اس نے فوراً جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کس سے کرنی ہے۔ تم اپنی پسند بتا دو۔" اس نے اب کی بار بھی تحمل اور نرمی سے پوچھا۔

"فی الحال میں اس کے بارے میں نہیں جانتی۔" اس نے بات کو ٹالا۔

"تمہارا کوئی کلاس فیلو ہے۔" وہ جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ چند لمحے چپ رہا پھر مزید بولا۔

"جو بھی ہو تم اسے مجھ سے ملواؤ۔ اگر وہ تمہارے قابل ہوا تو میں اس کے ساتھ فوراً تمہاری شادی کی بات کر لوں گا۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا' وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ اس رات وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ وہ جلد سے جلد اس کی شادی کرانا چاہتا تھا۔ جس قسم کی زندگی وہ گزار رہا تھا' اس میں ایک نوجوان کنواری لڑکی کے لیے بھلائی کے بجائے تباہی ہی تھی۔ اس کی زندگی دشمنوں کے نرغے میں گزر رہی تھی۔ ایسے میں وہ لڑکی کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو سکتی تھی۔ آج کل اس اہم مسئلے نے اس کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ ہر وقت یہ فکر کہ کالج سے آئی ہے یا نہیں۔ گھر پر اکیلی تو نہیں۔ باہر جاتے ہوئے اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ یہ سارے وہم اسے دن رات پریشان کر دیتے تھے۔ وہ عورت ذات تھی' معمولی بات بھی اس کی عزت اور اس کی ساری زندگی کے لیے تباہی بن سکتی تھی۔ وہ اس ذمہ داری سے بااحسن طریقے سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا۔ کمال اس کے بچپن کا دوست تھا۔ وہ دل و جان سے اس رشتے پر راضی تھا۔ سارا مسئلہ یہ لڑکی تھی لیکن آج یہ جان کر کہ وہ کسی اور میں انوالو ہے' وہ قدرے پرسکون ہو گیا تھا۔ اگر وہ کسی کو پسند کرتی تھی تو یہ بات خوش آئند تھی۔ وہ اس کی پسند سے شادی کرنے پر تیار تھا۔ بشرطیکہ لڑکا باکردار اور پڑھا لکھا اچھے گھرانے کا ہو۔ اسے ایک نیک شریف لڑکے سے سروکار تھا۔ پسند یا ارینج میرج کے بکھیڑوں سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ کچھ دن بعد وہ اس سے لڑکے سے ملوانے کی

digest novels lovers group

بابت پوچھ رہا تھا۔

"کل میں تمہارے ساتھ جاؤں گا یا پھر اگر چاہو تو اسے یہیں لے آؤ۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس کی بات پر اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔ "میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ زچ ہوتی ہوئی بولی۔

"لیکن میں تمہاری شادی کروانا چاہتا ہوں' اس لیے تم جلد از جلد اس لڑکے کو مجھ سے ملواؤ۔" اس نے بھی قطعیت سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم اس قدر تنگ آگئے ہو مجھ سے تو میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔ اب بہانے مت بناؤ۔ تمہاری شادی کرنی ہے' یہ کرنا ہے' وہ کرنا ہے۔ تم تنگ آگئے ہو مجھ سے۔ یہ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ میں دردسر ہوں تمہارے لیے۔ اب کسی کے بھی پلے باندھ کر مجھ سے چھٹکارا چاہتے ہو۔" وہ چلا رہی تھی۔

"میری بات سن لو' میں مرجاؤں گی' پر کسی کمال سے شادی نہیں کروں گی۔ مجھے میرے گھر جانے بھی نہیں دیتے اور یہاں بھی رہنے نہیں دیتے۔ کہاں جاؤں میں آخر۔" وہ چلائی۔

وہ ایک ایک قدم بڑھاتا اس کے پاس آیا تھا اور غصے سے بھری نگاہوں سے تکتے ہوئے بولا۔

"تمیز سے بات کرو۔ میں تم سے چھوٹا نہیں' بڑا ہوں اور چلاؤ مت۔ اگر تم اپنی پسند نہیں بتا رہیں تو میں مجبوراً" تمہیں کمال کے ساتھ ہی بیاہ دوں گا۔ نیکسٹ سنڈے میں شادی کی یہ ارینجمنٹ کروا رہا ہوں۔ تم کمال یا اپنی پسند میں سے ایک منتخب کرلو۔ نہ تو تم اپنے گھر جاؤ گی اور نہ یہاں رہو گی۔" وہ قطعی لہجہ میں بولا۔

"میری پسند پر تم آگ بگولا ہو جاؤ گے۔ مجھے پتہ ہے کہ تم میری پسند قبول نہیں کرو گے۔" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی۔

"میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں تمہاری پسند کو ترجیح دوں گا۔"

وہ اب کی بار نرمی اختیار کرنے لگا۔ وہ اس کی آنکھوں میں چندیل دیکھتی رہی پھر بے خوفی سے بولی۔

"میری پسند تم ہو' میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" اس کے الفاظ نے سامنے کھڑے مرد کو بت بنا دیا تھا۔ اس کے حواس جیسے اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اس نے اپنے حواس کو کنٹرول کرنے کی حتی المقدور کوشش کی تھی۔ سینے میں رکا سانس بحال کرتے ہوئے بولا۔

"نیکسٹ سنڈے کمال کے ساتھ تمہارا نکاح۔۔۔"

"میں بھاگ جاؤں گی' پر یہ شادی نہیں کروں گی۔"

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے پرسکون انداز میں گویا تھی۔ وہ انتہائی بے خوف لگ رہی تھی۔

"آئندہ تمیز سے بات کرنا مجھ سے۔ آپ کہہ کر مخاطب کرنا' تم لفظ زبان پر نہ آئے اور یوں اگر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تم نے بات کی نا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"تب بھی میں کہوں گی کہ میں آپ کے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گی۔" اس کی ہٹ دھرمی کے جواب میں وہ بڑی رکھائی سے بولا۔

"میں کسی سے بھی کرلوں گا' پر تم سے ہرگز نہیں۔"

"تو بس مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

"کیا چاہتی ہو تم۔" وہ اس کے قریب کھڑا اس سے پوچھنے لگا۔

"مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے۔" اس نے اپنی نظریں دیوار پر جمائے جواب دیا۔

"میرے ساتھ رہنے میں تمہیں کیا ملے گا' سوائے موت کے' بیوگی کے' غم کے۔ تم میرے مسائل میں اضافہ کررہی ہو' میں پہلے ہی پریشان ہوں' میری پریشانی کو مت بڑھاؤ' میں شادی ہی نہیں کررہا' وجہ یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ کل کلاں کو میری وجہ سے میری بیوی میرے بچوں کو گھسیٹا جائے۔ اب میں اکیلا جو جی رہا ہوں تو بے فکری سے جی رہا ہوں۔ مجھ پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ میرے پیچھے میری بیوی بچوں کا

کیا ہوگا۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں آجانی چاہیے۔ کمال تمہاری اسٹڈیز کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔ تمہارے تمام تعلیمی اخراجات میں ادا کروں گا۔ تمہیں کوئی پریشانی ہو' کوئی مسئلہ ہو تم بلا جھجک میرے پاس آسکتی ہو۔ میں تم سے کوئی تعلق نہیں توڑ رہا' نہ ہی ہمارا رشتہ ختم ہو سکتا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میری زندگی ہی میں سیٹ ہو جاؤ۔" اس وقت صفا یعقوب کو اس کے چہرے پر گہرے تفکر کی پرچھائیاں نظر آرہی تھیں' جنہیں بڑی بے دردی سے نظر انداز کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"اگر تم مجھے مجبور کرو گے تو میں بھاگ جاؤں گی کہیں بھی۔ اگر مجھے کچھ ہوا تو اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی کیونکہ تم مجھے مجبور کر رہے ہو کہ میں یہ صورت اختیار کروں۔" وہ کمال اطمینان سے کہتی اس کا سکون غارت کر گئی۔ اسے شدید غصہ آیا اور اسی کیفیت میں وہ وہاں سے چلا آیا۔ مبادا کہ اس کا ہاتھ نہ اٹھ جائے۔ اس کی طبیعت میں بہت غصہ اور چڑچڑا پن آگیا تھا جسے سب نے محسوس کیا تھا۔ سب سے پہلے محسوس کرنے والی وہ تھی۔ پہلے پہل وہ اس کا حال احوال دریافت کرتا رہتا تھا لیکن اب وہ اسے بالکل نظر انداز کرنے لگا تھا۔ وہ وجہ جانتی تھی اور اس پر اسے شدید غصہ بھی آرہا تھا۔ اس کے خیال میں ایسا کوئی فعل تو اس کے ہاتھوں سرزد نہیں ہوا تھا کہ جس پر وہ اسے یوں سزا دے رہا تھا۔

وہ اس کے کمرے میں آئی' وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ اسے اپنے کمرے میں آتے دیکھ کر بھی وہ اپنی تیاری میں بدستور مصروف رہا تھا۔ پرفیوم کی سحر انگیز خوشبو پورے کمرے میں پھیل رہی تھی۔ وہ عموماً یہی پرفیوم استعمال کرتا تھا۔ گلاسز جیب میں رکھ کر اس نے اپنا سیل فون اٹھایا۔ ایک خاموش نظر اس نے صفا پر ڈالی۔

"کچھ کہنا ہے؟" آواز میں بے گانگی نمایاں تھی۔

"میری فیس' کل لاسٹ ڈیٹ ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ اندرونی جیب سے پرس نکال کر اس میں سے پانچ پانچ سو کے نوٹ نکال کر اس نے اس کی طرف بڑھائے۔ اس نے بغیر جھجک کے لے لیے تھے۔ پرس اس نے جیکٹ کی جیب میں واپس ڈالا۔

"کہیں جا رہے ہو۔" اس کی تیاری کو دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

کڑے تیور سے اسے دیکھتے ہوئے وہ اس کے قریب جا کر بولا۔

"کہا تھا نا میں نے کہ تمیز سے بات کرنی ہے۔ بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے تمہیں۔"

"کتنے بڑے ہو مجھ سے جو ہر وقت رعب جماتے رہتے ہو۔ یہ مت کرو' وہ مت کرو' یہ کپڑے مت پہنو' یہاں مت رہو' اس طرح سے مت بولو' تمیز سے بات کرو۔ تم آخر تم چاہتے کیا ہو۔ بولنا بھی چھوڑ دوں۔ مجھے نہیں آتی تمیز۔ تنگ آگئی ہوں میں اپنی زندگی سے۔" وہ رونے لگی تھی۔ "جسے دیکھو مجھے ڈانٹ رہا ہے۔ میں اپنی مرضی سے بول بھی نہیں سکتی۔ حد ہوتی ہے ظلم کی' نہیں چاہئیں مجھے تمہارے یہ روپے۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے سارے روپے اس کی طرف اچھال دیے تھے۔ وہ خاموشی سے اسے تکتا رہا پھر وہ نوٹ اٹھانے لگا جو بیڈ پر اور کچھ کارپٹ پر پڑے تھے۔ اس نے جوں ہی اس کے ہاتھ میں نوٹ دیکھے تو جھپٹتے ہوئے بولی۔

"کل صبح لاسٹ ڈیٹ ہے' مجھے فیس دینی ہے' اسی لیے لے رہی ہوں لیکن یہ مت بھولنا کہ میں اب کبھی بھی تم سے بات نہیں کروں گی۔" وہ ناراض ہو کر چلی گئی۔

شادی کا معاملہ التوا میں پڑ گیا تھا۔

صبح وہ ساجد شاہ کے ہاں جا رہا تھا' اس کے گاؤں شاہ پور۔ وہ صبح سویرے نکل گیا تھا۔ رات گیارہ بج رہے تھے لیکن اس کے آنے کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ عموماً نو دس بجے تک وہ گھر آجایا کرتا تھا۔ اگرچہ گارڈز تھے لیکن اندر کی خاموشی نے اسے ہولا دیا تھا۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔ ہر طرف اسے سائے ہی سائے نظر آرہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں لیٹی جانے

digest novels lovers group

کن سوچوں خیالوں میں گم تھی، جب فون کی بیل بجی۔ اس نے یکدم ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب کی آواز سن کر وہ رونے لگی۔

"کیوں رو رہی ہو تم؟" زویزان کی پریشان کن آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس کی خاموشی پر وہ تیز آواز میں بولا۔

"بات سنو میری۔ کیا بات ہے، کیا ہوا ہے؟ تم سے کہہ رہا ہوں۔" اب کے وہ پورے حلق سے چلایا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے، میں یہاں اکیلی ہوں۔" وہ روتے ہوئے کہنے لگی۔ اس کی بات پر اس کے سینے سے اطمینان بھری سانس خارج ہوئی۔

"ملازمہ سے کیوں نہیں کہا ساتھ سونے کو۔" وہ کل وقتی ملازمہ کا کہہ رہا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ تم آ جاؤ گے۔"

"ڈرنے کی ضرورت نہیں، باہر گارڈز ہیں۔ تم کمرے کا دروازہ اچھی طرح لاک کر لینا۔ اگر ڈر لگے تو مجھ سے فون پر بات کرنا۔" وہ تسلی آمیز انداز میں کہہ رہا تھا۔

"آپ کیوں نہیں آ رہے۔" وہ ہنوز روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"بارش ہو رہی ہے، میں نہیں آ سکتا۔ جو میں نے کہا ہے، اس پر عمل کرنا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کچھ نہیں ہو گا۔"

کچھ دیر بعد اس نے فون بند کر دیا تھا۔ اس سے بات کر کے اس کی گھبراہٹ کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔ تبھی الکرسی پڑھ کر وہ سونے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد اسے نیند آ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

صبح وہ اٹھی تو وہ اسے لاؤنج میں شوکت کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے نظر آیا۔ وہ اس کے پاس چلی آئی۔ اس نے دونوں کو سلام کیا وہ جو شوکت کی جانب متوجہ تھا اس کے سلام پر اس کی طرف دیکھ کر پھر سے شوکت کی جانب متوجہ ہو گیا۔ شوکت اب اس کی طرف متوجہ ہو کر اس سے باتیں کرنے لگا۔ وہ اس کی باتوں کا مختصر جواب دے رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے زویزان کو خود سے مخاطب ہوتے سنا۔

"تم جاؤ، ہمیں کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" وہ باہر لان میں نکل آئی تھی۔

جاتی گرمیوں کے دن تھے، بارش ہو رہی تھی۔ آج کل موسم کچھ زیادہ ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔ اسے کچھ دنوں سے بدلا ہوا یہ موسم بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ سارا سارا دن بارش میں کھڑی بھیگ رہی ہوتی۔ اس وقت بھی وہ پچھلے لان میں بارش میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ بارش کی بوندیں اس کے چہرے کو بھگو کر اس کی روح تک کو تر و تازہ کر رہی تھیں۔ گلاس ونڈو سے دیکھتے زویزان نے پردہ کھینچ لیا اور ملازمہ کو اسے بلانے بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے کمرے میں آئی تھی لیکن لباس تبدیل ہی تھا۔

"تمہاری ٹیچر نے شکایت کی ہے تمہاری۔ تم اپنی اسٹڈیز پر توجہ نہیں دے رہی ہو۔ کیوں ہے ایسا۔" وہ سگریٹ ہونٹوں میں دبائے لائٹر سے اسے جلانے لگا پھر ایک گہرا کش لے کر اسے جواب طلب نگاہوں سے دیکھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں پڑھ تو رہی ہوں۔" اس نے کمزور سی آواز میں جواباً کہا تھا۔

"اب کے ٹیسٹ میں تمہارے کتنے مارکس تھے؟" اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

"سب کے کم مارکس تھے، صرف میرے نہیں۔" اب کی بار کمزور سا بہانہ بنایا گیا تھا۔

"میں سب کے متعلق نہیں پوچھ رہا، صرف تمہارے متعلق پوچھ رہا ہوں۔ تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے ایگزیمز ہونے والے ہیں۔ اگر یہی حال رہا تو کیا پڑھو گی تم۔" وہ خاموش رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ یہاں۔" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کے بیٹھتے ہی بولا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہیں۔ اگر تمہیں پرابلم ہے تو میں ٹیوشن رکھ دیتا ہوں۔ یوں پڑھائی کو لائٹلی لینا ٹھیک

"نہیں۔۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس نے تردید کرتے ہوئے کہا۔

"یقیناً مس ہما نے شکایت لگائی ہوگی۔ وہ جلتی ہیں مجھ سے، ہمیشہ کلاس میں مجھے ڈانٹتی ہیں۔ انہیں تو بہانہ چاہیے میری بے عزتی کا۔ اگر میں نے خراب ٹیسٹ دیا تو کیا ہوا، سب کا ٹیسٹ خراب ہوا تھا۔ مجھے پتہ ہے انہیں سارا غصہ سر رضوان کا ہے۔ وہ مجھے زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اور وہ یہ برداشت نہیں کر سکتیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ سر رضوان صرف اور صرف ان پر توجہ دیں۔ اتنا جج دھج کر ان کے لیے آتی ہیں۔" وہ بغیر رکے بولے چلی جا رہی تھی۔ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تھا۔

"میں تم سے مس ہما کے موضوع پر بات نہیں کر رہا۔ میں تمہاری اسٹڈیز کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔ آئندہ اگر تمہارا ٹیسٹ اس قدر بکواس اور تھرڈ کلاس ہوا تو میں تمہاری پڑھائی کا سلسلہ بند کر دوں گا۔" سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھ کر اس نے کچھ پیپرز نکالے اور پھر اس کے قریب آ کر وہ پیپرز اس نے اس کے ہاتھ میں تھمائے۔

"یہ ہے تمہارا ٹیسٹ۔" اس کی نظریں صفحات پر پڑیں۔

"مس ہما جلتی ہیں تم سے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"سر رضوان کے بجائے اگر تم اپنی توجہ پڑھائی پر مرکوز کر دو تو بہتر ہوگا۔" اس کے جملے نے اسے اچھا خاصا تپا دیا۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور کہنے لگی۔

"کیا مطلب ہے، میں سر رضوان پر کیوں توجہ دوں گی۔ آخر سمجھ کیا رکھا ہے آپ نے مجھے، مجھے تو لگتا ہے کہ آپ کا ہی مس کے ساتھ کوئی چکر ہے، جب ہی ان کے ورغلانے پر آپ یوں الزامات سمیت غصہ ہو رہے ہیں۔ مس رخشندہ کی بات پر یقین کر لیا اور جو میں کہہ رہی ہوں، اس پر رتی برابر یقین نہیں آیا آپ کو۔ میں مس کی شکایت لگاؤں گی کہ وہ ہمیں صحیح نہیں پڑھاتیں، صرف اپنے فیشن اور سر رضوان پر توجہ دیتی ہیں۔ ہماری پڑھائی پر نہیں۔" غصے سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"آئندہ مجھے کوئی شکایت نہیں ملنی چاہیے۔ اگر تمہارا یہی حال رہا پڑھائی میں تو میں تمہارا کالج جانا بند کر دوں گا۔ بعد میں مجھے کوئی الزام نہ دینا۔ ایسا کرنے پر تم مجھے مجبور کرو گی۔" اس کے دھمکانے پر وہ کچھ تلملاتی اس کے پاس سے ہٹ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ کالج سے واپسی پر عقبی سیٹ پر بیٹھی اپنی گود میں دھری کتابوں پر انگلی سے لکیریں کھینچ رہی تھی، جب گاڑی ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے سامنے سے گزری تو بے ساختہ اس کی نظریں ہوٹل کے گلاس ڈور سے نکلتے زوبزان پر پڑیں۔ وہ اکیلا نہیں تھا، اس کے ہمراہ نگین بھی تھی۔ وہ دونوں کار کی جانب بڑھے تھے۔ ریحان اور صفدر بھی ان کے ہمراہ تھے۔ غصے کی ایک شدید لہر اس کے تن بدن میں اٹھی تھی۔ اس دن وہ سارا دن غصے کی کیفیت میں مبتلا رہی تھی لیکن کچھ ہی دن بعد وہ اس بات کو بھول بھال گئی تھی۔ وہ باہر لان میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا، جب وہ اس کے پاس آئی تھی۔ اس نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی پھر اخبار میں گم ہو گیا۔

"مجھے کچھ رقم چاہیے۔" اخبار ہٹا کر اس نے کچھ پل استفہامی نظر سے دیکھا پھر اپنی شرٹ کی جیب سے رقم نکال کر اس کے حوالے کی۔

"ایک ہزار اور۔" اس نے گننے کے بعد مزید مانگے۔ اس نے ہزار کا نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"مجھے شاپنگ کرنے جانا ہے، کسی کی برتھ ڈے کے لیے گفٹ لینا ہے۔ کس کے ساتھ جاؤں؟" وہ بالکل فریش موڈ میں تھی۔

"شوکت آنے والا ہے، اس کے ساتھ چلی جانا۔" چائے کا کپ اٹھا کر اس نے کہا۔

digest novels lovers group

"پر مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے۔"
"مجھے ضروری کام ہے۔ تم شوکت کے ساتھ چلی جانا' وہ ابھی۔۔۔" وہ رقم اس کو واپس دینے لگی۔
"بس مجھے نہیں جانا۔" وہ اس کا ہاتھ بڑھتا نہ دیکھ کر رقم ٹیبل پر رکھ کر مڑنے لگی تو وہ بولا۔
"ٹھیک ہے' تم تیار رہو۔ میں جا رہا ہوں تمہارے ساتھ۔ دوپٹہ بڑا لو۔" ساتھ ہی تنبیہہ کرتے ہوئے بولا تھا۔ وہ خوشی خوشی بڑا دوپٹہ پہنے اس کے ساتھ بازار چلی آئی۔ اس نے ایک شرٹ اور ایک پرفیوم خرید کر اس کی پے منٹ کی۔ وہ خاموشی سے اس کی خریداری کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی میل فرینڈ کے لیے خرید رہی تھی۔

وہ جو اس سے چار ہزار روپے ہتھیا چکی تھی ان روپوں سے اس نے کسی کے لیے گفٹ خریدا تھا اتنی دیدہ دلیری آج تک اس نے کسی میں نہیں دیکھی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی اس کے پاس کسی کی کال آئی تھی۔
"ہاں میں آرہا ہوں کچھ دیر میں' ٹھیک ہے کس وقت تک رہو گی وہاں۔ ہاں بس آرہا ہوں۔ اور ہی ٹوئنٹی منٹس۔" اس کا لہجہ صفا یعقوب کو بہت خوشگوار محسوس ہوا تھا۔

٭ ٭ ٭

"یہ آپ کا گفٹ" اس نے گفٹ پیک اٹھا کر ٹیبل پر رکھ دیے تھے جبکہ وہ حیران نظروں سے کل خریدنے والے پیک شدہ گفٹ کو دیکھ رہا تھا۔
"شوکت بھائی نے مجھے آپ کی ڈیٹ آف برتھ بتائی تھی تو میں نے آپ کی برتھ ڈے پر آپ کے لیے گفٹ خریدا۔" اس نے وضاحت دی تھی۔ وہ اس گفٹ کو دیکھتا رہ گیا یہ کسی کو دیا جانے والا ایسا پہلا گفٹ تھا جو اس بندے کے پیسوں سے خریدا گیا تھا۔
"تھینک یو۔" کچھ پل بعد اس نے بشاشت سے اس کا شکریہ ادا کیا۔
"تم نے میرے لیے اتنا قیمتی تحفہ خریدا اس کے لیے ایک بار پھر شکریہ۔" وہ مسکرا رہا تھا۔
"آپ کو پسند آیا۔" وہ سادگی سے پوچھنے لگی۔
"ہاں بہت۔" وہ ہنوز مسکرائے جا رہا تھا۔
"آپ ہنس کیوں رہے ہیں لگتا ہے آپ کو پسند نہیں آیا۔" اس نے شکی نظر سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔
"مجھے بہت پسند آیا ہے اتنا اچھا گفٹ کسی کو بھی پسند آسکتا ہے۔" اس نے گفٹ کھولتے ہوئے اسے مطمئن کرنا چاہا۔
"رئیلی؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔
"بالکل۔" پرفیوم نکال کر اس نے خود پر اسپرے کیا۔ وہ خوش ہو کر اس پرفیوم کی سحر انگیز خوشبو پر مزید روشنی ڈالنے لگی۔
اس کے امتحان ہونے والے تھے۔ وہ دل جمعی سے پڑھائی کر رہی تھی۔ ابھی بھی وہ بیٹھی پڑھ رہی تھی جب ملازم زویزان کا پیغام لایا۔
"صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔" وہ کتاب بند کر کے کمرے سے نکلی۔ "صفورا خالہ زویزان بھائی کہاں ہیں؟" لاؤنج صاف کرتی صفورا خالہ سے اس نے دریافت کیا۔
"ڈرائنگ روم میں۔" کہہ کر وہ کچن میں چلی گئی تھیں جبکہ وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے زویزان کے ہمراہ ایک اچھا خاصا خوش شکل نوجوان بیٹھا نظر آیا۔
"آؤ بیٹھو۔" زویزان نے کچھ فاصلے پر رکھے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا بیٹھ گئی۔ لیکن بیٹھنے سے پہلے ہی وہ سلام کر چکی تھی جس کا جواب نوجوان نے بڑی پر جوش مسکراہٹ کے ساتھ دیا تھا۔
"یہ کمال ہے اور کمال یہ صفا ہے۔" وہ ان دونوں کا تعارف کروا رہا تھا۔
"اچھا تو اس لیے مجھے بلوایا ہے۔" دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی وہ بولی۔
"مجھے کچھ کام ہے۔" وہ یکدم اٹھی اور چلی گئی۔

جبکہ زویزان شرمندہ سا حیران و پریشان ہو کر کمال ۔۔۔ کو دیکھ رہا تھا کمال کے جاتے ہی اس نے اسے خوب لتاڑا۔

"یہ کیا حرکت تھی اگر تم کچھ دیر بیٹھ جاتیں تو کیا ہو جاتا۔ وہ ایک اچھا انسان ہے۔" اس کی بات کے جواب میں وہ یکدم کہنے لگی۔

"تو میں کیا کروں اس اچھے انسان کا اسے میڈل دوں اس کی اچھائی پر یا کہ اسے برا بناؤں یہ کہہ کر کہ بھائی تم اچھے کیوں ہو برے بن جاؤ۔" اس کے اس جواب پر وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ کچھ دنوں بعد کمال کی کالز کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس کے فون آرہے تھے۔ وہ اس سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ لیکن وہ اس سے کسی صورت بات کرنے پر تیار نہ تھی۔ ایک دن اس نے اس کی اچھی خاصی عزت افزائی کی۔

"آپ روز روز کیوں فون کرتے ہیں جبکہ میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ بات کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ آپ خواہ مخواہ غصہ کیوں ہو رہی ہیں۔" اس نے نرمی سے کہا تھا۔

"میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ حد ہوتی ہے بدتمیزی کی، سمجھ نہیں آتی آپ کو ایک بات۔ دنیا میں صرف میں واحد لڑکی نہیں ہوں گرلز کالج جائیے وہاں بہت سی مل جائیں گی آپ کو سر پر ہیلمٹ ضرور پہن کر جائیے گا ورنہ گنجے بھی ہو سکتے ہیں آپ۔" مشورے کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا تھا۔ شام کو وہ اس کے سامنے تھی۔

"آپ کا دوست مجھے تنگ کر رہا ہے۔ اسے سمجھائیں ورنہ میں اس کا سر توڑ دوں گی۔ آپ نے جو ڈیوٹی اس کے ذمے لگائی ہے اس سے فارغ کر دیں اسے ورنہ میں اپنے گھر چلی جاؤں گی۔ بلکہ میں گھر کیوں جاؤں اس سے اچھا تو گلریز ہے۔ میں گلریز کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ اگر وہ مجھے مار کر میری جائیداد ہتھیا بھی لیتا تو اس میں برائی کیا ہے۔ میرا کزن ہے وہ۔ اگر مرتے مرتے اس کے کام آ گئی تو ثواب ہی ملے گا مجھے۔" وہ نان اسٹاپ بولے جا رہی تھی۔ جبکہ وہ پرسکون سن رہا تھا۔

"آپ سے کہہ رہی ہوں میں۔" وہ اس کی عدم دلچسپی نوٹ کرتے ہوئے تیز آواز میں بولی۔ وہ نظریں ہنوز ٹی وی پر جمائے بولا۔

"کمال میں کیا برائی ہے۔ اسے تم اچھی لگی ہو اور اگر۔"

"وہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔" اس کی بات کاٹ کر وہ برہم ہو کر بولی۔

"ٹھیک ہے آئندہ وہ تمہیں تنگ نہیں کرے گا منع کر دوں گا میں اسے۔" اس کی بات پر وہ خاموش ہو گئی تھی اور واقعی کچھ دنوں میں ہی اس نے اطمینان کا سانس لے لیا تھا اس نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

کمال والا مسئلہ حل ہو گیا تھا لیکن ایک دوسری پریشان کن صورت حال پیدا ہو گئی تھی ایک دن وہ اسے اپنے ساتھ باہر لے گیا۔ وہ کچھ حیران سی تھی پر تیار ہو کر اس کے ساتھ چل دی کینٹ کے علاقے میں ایک شاندار بنگلے کے گیٹ کے اندر پورچ میں جب گاڑی لاک کر کے وہ اترے تو وہ تحیر کے عالم میں اس کے پیچھے داخلی دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ وہ جس کسی کا بھی گھر تھا۔ بہت شاندار تھا وہ ڈرائنگ روم میں آویزاں پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی۔ جبکہ وہ موبائل پر شوکت سے بات کر رہا تھا۔

"آج ہی بھجوا دو انہیں ہاں صفورا خالہ کو بھی۔" موبائل آف کر کے اس نے اس کی سوالیہ نگاہوں میں سرسری جھانک کر موبائل شرٹ کی جیب میں ڈالا اس کی خاموشی پر وہ خود ہی بولی۔

"یہ گھر کس کا ہے؟" اس کے سوال کے جواب میں وہ کچھ پل تو خاموش رہا پھر سگریٹ سلگا کر اس کا ایک گہرا کش لے کر بولا۔

"تم رہو گی یہاں صفورا خالہ بھی ہوں گی تمہارے پاس۔ اس کے علاوہ ریحان اور صفدر بھی یہاں ہوں

digest novels lovers group

گے۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی میں یہاں آتا رہوں گا۔" وہ شاک کی کیفیت میں مبتلا یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ زویزان کو اس کی آنکھوں میں نمی دکھائی دی تھی۔

"یہاں تمہیں کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔" وہ اسے بہلا رہا تھا۔ اتنا بڑا دھوکا کیا تھا اس نے اس کے ساتھ اسے کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی اور اسے یہاں لے آیا۔ وہ اسے بتا کر بھی تو لا سکتا تھا۔

کچھ رقم نکال کر اس نے اس کی طرف بڑھائی جسے بڑے روکھے انداز سے اس نے لینے سے انکار کر دیا اور وہاں سے چلی گئی۔ اسے پتہ تھا کہ وہ ناراض ہوگی لیکن ایسا کرنا ضروری تھا۔ وہاں رہنا اس کے لیے ٹھیک نہیں تھا وہاں بھانت بھانت کے لوگوں کا آنا جانا تھا۔ وہ اسے وہاں کسی صورت نہیں رکھ سکتا تھا۔

وہ باہر لان میں آیا' وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ وہ پودوں کے پتے نوچ رہی تھی۔ اس نے ایک نگاہ بھی اس پر نہیں ڈالی تھی۔ سلطان گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا وہ گہری نظر سے اسے دیکھتا گاڑی میں بیٹھ گیا گاڑی کے نکلتے ہی وہ گاڑی کو تکنے لگی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شروع شروع میں وہ بہت اپ سیٹ رہی تھی لیکن پھر خود ہی نارمل ہو گئی۔ وہ یہاں چکر لگاتا رہتا تھا' آج بھی جب وہ آیا تو وہ اسے لان میں بیٹھی کچھ لکھتی نظر آئی وہ سیدھا اس کے پاس چلا آیا۔ وہ اسے آتا دیکھ چکی تھی اس کے باوجود اس کے قریب آنے پر نہ تو اس نے سلام کیا اور نہ ہی کوئی بات کی۔

"کیسی ہو؟" اسے ان الفاظ سے نفرت ہونے لگی تھی اس لیے اس نے جواب نہیں دیا تھا۔

"کیسی ہو۔" اس نے ایک بار پھر پوچھا۔ اب کی بار وہ کتابیں سمیٹنے لگی اور پیپرز فائل میں لگا کر اٹھ گئی۔ وہ اسے خاموشی سے جاتا دیکھتا رہا۔ اسے یہاں آئے تین ہفتے ہو چکے تھے ان ہفتوں میں وہ ایک بار بھی اس سے نہیں بولی تھی۔ اس کے آنے پر کمرے میں بند ہو جاتی تھی۔ اس کے اس قدر شدید ایکشن کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس وقت بھی وہ سوچوں میں غرق اسی کو سوچ رہا تھا۔ اس کی ناراضی بڑھتی جا رہی تھی وہ اس کی اس قسم کی ناراضگیوں کو کوئی اہمیت دینے والا نہیں تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ اس خود سر اور ضدی لڑکی کی کسی بے وقوفی سے ڈرتا تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ یہاں بار بار چکر لگاتا رہتا تھا تاکہ اسے سمجھا سکے لیکن وہ پہلے لفظ پر ہی موڈ خراب کر کے نو دو گیارہ ہو جاتی تھی۔ آج بھی وہ اسے بنا منائے لوٹ آیا تھا۔ وہ وہاں سے نگین سے ملنے گیا تھا۔ اسے لے کر وہ دونوں لانگ ڈرائیو پر چلے گئے تھے۔ وہ بڑے فریش موڈ میں تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔" وہ بولتے بولتے اچانک اس کی کھوئی کھوئی کیفیت نوٹ کرتی بولی۔

"ایسے ہی بس۔" وہ اس کی آنکھوں میں چھائے کرب کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھ ساتھ اسے بھی اسی کرب سے آشنا کر رہا تھا۔ جو درد محبت کے باعث ان کے دلوں میں پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ اس درد کا ازالہ صرف اور صرف ایک صورت میں کر سکتا تھا لیکن وہ بات اس شخص کو منظور نہ تھی۔ وہ خود کو اس عورت کو ادھوری خوشیاں نہیں دینا چاہتا تھا وہ اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے ہر غم کی پرچھائیں سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ یہ بات وہ اسے بارہا بتا چکا تھا۔ اس کی بات وہ بلا چون و چرا مان لیا کرتی تھی کیونکہ اس کی محبت یہ اجازت اسے ہرگز نہیں دیتی تھی کہ وہ اس کا دل توڑے۔ وہ اپنی طرف سے کوئی ایسی خواہش کر ہی نہیں سکتی تھی جو اسے نئی مصیبتوں میں ڈال دے۔ اس کی پریشانیاں کم کرنے کے بجائے بڑھا دے۔ وہ کوئی ایسا کام کر ہی نہیں سکتی تھی جو اس کے لیے بجائے خوشی کے پریشانی کا باعث بنے۔

وہ نسبتاً" پرسکون سی جگہ چلے آئے تھے۔ گاڑی سے اتر کر وہ ہرے بھرے سبزے کی جانب بڑھے تھے۔ ریحان گاڑی میں ہی تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ لیکن یہ خوشگوار موسم بھی اسے کچھ پرسکون نہیں کر پا رہا تھا۔

"میں جب بھی تمہارے ساتھ یہاں آتی ہوں نا تو لگتا ہے جیسے پہلی بار آئی ہوں تمہیں بھی یوں محسوس ہوتا ہے یا صرف مجھے ہی۔"

وہ گلاسز اتار کر اسے براہ راست دیکھنے لگا۔

"یہ تمہیں کیا ہو رہا ہے تم نے خود پر غور کیا ہے کتنے ویک ہوتے جا رہے ہو۔ اس قدر ٹینس لگ رہے ہو۔ کیا مسئلہ ہے" وہ کچھ تشویش زدہ ہو گئی تھی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"کوئی مسئلہ نہیں یہاں میں صرف اور صرف تم سے اپنی باتیں کرنے آیا ہوں مسئلے مسائل ڈسکس کرنے نہیں۔" پھر وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگے ــــ ایک پل کے لیے اسے لگا تھا کہ جیسے وہ ہر پریشانی سے نجات پا گیا ہو۔

☼ ☼ ☼

وہ کئی دنوں تک اس کے پاس جا نہیں سکا تھا۔ آج جوں ہی وہ جانے کے لیے تیار ہوا تو نگین آ گئی۔ اس لیے وہ جا نہیں پایا۔ کافی دیر تک اس کے ساتھ گپ شپ ہوتی رہی۔ وہ دونوں کسی بات پر ہنس رہے تھے جب لاؤنج کے دروازے میں کھڑی صفابت بن گئی تھی۔ وہ لڑکی بڑے استحقاق سے اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھی ہنس رہی تھی۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے۔ وہ بنا سلام کیے لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ خجل سا ہو گیا تھا اس کی بے نیازی پر۔

"پلیز تم مائنڈ مت کرنا' یہ کچھ خفا۔۔۔"

"کوئی بات نہیں' تمہیں وضاحت دینے کی ضرورت نہیں' مجھے پتہ ہے۔ میں اب چلوں گی۔ تم جاؤ اس کے پاس' ہو سکتا ہے وہ کسی کام سے آئی ہو۔" وہ مسکرا کر اٹھ گئی۔ اس کے جاتے ہی وہ اس کے پاس آیا۔ وہ کمرے کی الماری کھولے اس میں سے کچھ سامان نکال رہی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مصروف رہی۔ "کتاب نہیں ملی' وہ جھنجلا کر زور سے الماری بند کرنے لگی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے در و دیوار ہل گئے ہوں پھر وہ ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں دیکھنے لگی۔ مایوسی کی صورت میں درازوں کی شامت آ رہی تھی۔ وہ اسے چپ چاپ دیکھ رہا تھا' وہ اسے مکمل نظرانداز کر رہی تھی۔

"کیا چاہیے؟" وہ مزید خاموش نہ رہ سکا تھا۔

"کتاب رکھی تھی میں نے یہاں' گھر ہے یا لائبریری جو کوئی اٹھا کر لے گیا ہے۔ کتنی ضروری تھی وہ بک۔" اس کی جھنجلاہٹ عروج پر تھی۔ "آرام سے دیکھو گی تو مل جائے گی۔" اس کی بات کے جواب میں وہ اسی پر بھڑاس نکالتی بولی۔

"نہیں مل رہی' دیکھ نہیں رہے کہ ڈھونڈ رہی ہوں۔" وہ اسے ہٹا کر خود دراز کھول کر دیکھنے لگا' جب اس نے ہاتھ سے دراز بند کر دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں تمہیں ڈھونڈنے کی' میں خود ڈھونڈ لوں گی۔" اس کی حرکتیں کبھی کبھی اس کے تحمل کے لیے آزمائش بن جاتی تھیں۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بےخوفی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی بد تمیزی پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں یہی کہہ رہی تھیں۔

"نظریں نیچی کرو۔" زوبزان کی آواز اسے سنائی دی تھی لیکن وہ سن نہیں رہی تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں نظریں نیچی کرو۔" زور کا تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کرتے ہوئے بولا۔ "اگر تمیز نہیں ہے تو آ جائے گی۔" بجائے شرمندگی اور ندامت کے وہ چلا اٹھی تھی۔

"کروں گی بدتمیزی۔ سارا سارا دن تم آوارہ گردیاں کرتے رہتے ہو۔ اس کے ساتھ ہوٹلنگ کرتے ہو' تفریح کرتے ہو۔ تم نے کبھی میرے بارے میں سوچا ہے کہ میں بھی انسان ہوں' میں بھی تنہائی سے اکتا جاتی ہوں۔ وہی تمہیں اکسا رہی ہے میرے خلاف' وہی تمہیں میری شادی کا مشورہ دیتی رہتی ہے۔ مجھے معلوم ہے میں تم دونوں کی راہ میں رکاوٹ ہوں۔ جان چھڑانا چاہتے ہو تم مجھ سے' تب ہی وہاں ڈال دیا ہے

مجھے۔ کتنے گھنے ہو تم۔ میری موجودگی میں تو کبھی نہیں آتی تھی۔ میرے جاتے ہی تم دونوں کی ملاقاتیں گھر پر ہونے لگیں۔ تمہیں میری فکر میری پروا نہیں ہے۔ اپنی..... میں کروں گی بدتمیزی۔ میں..... میں.....“ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ پھر سے کہنے لگی۔

”میں گلریز کے ساتھ شادی کر رہی ہوں۔ اگر تمہارے پاس ٹائم ہو تو دعوت میں آجانا۔ میں کارڈ بھجوا دوں گی۔ میں تمہارے اس منحوس گھر میں نہیں رہوں گی۔ خبردار جو آئندہ میرا پوچھا بھی تو۔ تم سے اچھا تو گلریز ہے جیسا بھی ہے دوغلا نہیں ہے۔“ وہ سگریٹ سلگا چکا تھا۔ اس کی بکواس سے اس کے سر میں درد شروع ہو گیا تھا۔

”گلریز سے بہتر کمال ہے۔ اگر تم کمال سے شادی نہیں کرنا چاہتیں تو میں کسی بھی دوسرے بندے سے تمہاری شادی کروا دوں گا۔ گلریز کے پاس اگر تم گئیں تو تمہاری ٹانگیں توڑ کر میں تمہیں ہمیشہ کے لیے گھر بٹھا دوں گا۔“ اس کے قطعی انداز پر وہ بھی قطعیت سے بولی۔

”تو پھر سن لو تم اگر میں شادی کروں گی تو صرف تم سے، ورنہ نہیں۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“ اس کے خود سر لہجہ پر وہ آگ بگولا ہوتے ہوئے بولا۔

”میں تمہیں ہرگز ہرگز نہیں اپناؤں گا کیونکہ اگر میں نے کبھی شادی کا ارادہ کیا بھی تو صرف نگین سے کروں گا۔ میں پندرہ سولہ برس سے محبت کرتا چلا آرہا ہوں اس سے، تمہاری طرح جمعہ جمعہ آٹھ دن کی محبت نہیں جو پل بھر میں ختم ہو جائے گی۔ میں تم سے محبت نہیں کرتا، وہ محبت جو تم مجھ سے چاہتی ہو، چیخنے چلانے کے بجائے ٹھنڈے دماغ سے سوچو، ساری زندگی کو آگ میں جھونکنے کے بجائے اپنے بہتر مستقبل کے لیے اچھا فیصلہ کرو آئندہ میں تمہاری زبان سے نگین کے خلاف کچھ نہ سنوں تم جنگل میں نہیں رہتیں، جنگلیوں والی حرکتیں چھوڑ دو۔“

نگین سے محبت کے انکشاف پر وہ دل کھول کر روئی تھی۔ اس نے واضح الفاظ میں اس کی محبت کا اعتراف جبکہ صفا یعقوب کی محبت کو ریجیکٹ کیا تھا۔ وہ اس کی باتوں پر ششدر رہ گئی تھی۔ وہ کسی اور سے یوں دیوانہ وار محبت کر سکتا ہے اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ وہ خلاف معمول کچھ دن تک بہت خاموش رہی تھی۔ اس کی یہ خاموشی دنوں پر محیط ہوتی جا رہی تھی۔ اس خاموشی کو زوریزان سمیت سب ہی نے محسوس کیا تھا لیکن کسی نے کچھ پوچھا نہ تھا۔

✲ ✲ ✲

”وہ میرے لیے مسئلہ بنا رہی ہے۔ تم نہیں جانتیں، وہ میری نرمی کو کچھ اور انداز میں لے رہی ہے، اس نے مجھے ٹینس کر رکھا ہے، وہ کسی کے ساتھ بھی شادی پر راضی نہیں ہو رہی، سوائے میرے، میں اس کی کم سنی اور اس کی نادانی سے ڈرتا ہوں، وہ اس قدر بے وقوف ہے کہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ وہ میری پریشانی بڑھا رہی ہے۔“ نگین اس کے چہرے پر الجھن دیکھ رہی تھی۔

”تم اسے اچھی طرح سمجھانے کی کوشش کرو، ہو سکتا ہے کہ وہ سمجھ جائے۔“ نگین اس کی پریشانی محسوس کر رہی تھی، اسی لیے خود بھی متفکر سی ہو گئی تھی۔

”بات سمجھنے کی حد سے نکل گئی ہے۔ وہ کچھ سمجھنا نہیں چاہتی، اس پر میری کوئی بات اثر نہیں کر رہی۔“ وہ مایوسانہ انداز میں بولا تھا۔

”ٹھیک ہے، میں کوشش کرتی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میری بات اس کی سمجھ میں آجائے۔“ نگین فیصلہ کن انداز میں بولی تو زوریزان نے یکدم اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”نہیں، تم نہیں جاؤ گی، وہ تمہیں کچھ الٹا سیدھا بولے، میں برداشت نہیں کر پاؤں گا، وہ میرا مسئلہ ہے، میں خود ہی اسے ہینڈل کر لوں گا۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے اپنے ڈیرہ اسماعیل خان خالہ کے گھر جانے کا بتانے لگی۔

digest novels lovers group

اگلے دن وہ اسے ڈھونڈتا ہوا اسٹڈی روم آیا تھا۔ وہ وہیں بیٹھی کتاب پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ یکدم اٹھ گئی اور اس کے پاس سے کترا کر جانے لگی تو اس نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے جانے سے روکا پھر بولا۔

"تیار ہو جاؤ' میں تمہیں گالف گراؤنڈ لے کر جا رہا ہوں۔" اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور جانے لگی تو وہ ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"میں نے کہا نا تیار رہو۔"

"شادی میں تو نہیں جا رہی جو بن سنور کر جاؤں اور نہ ہی مس ورلڈ کا ٹائٹل جیتنے جا رہی ہوں کہ مجھے فرسٹ پرائز ملے گا۔ اگر اس حلیے میں لے جانا ہے تو ٹھیک' ورنہ میں نہیں جا رہی۔" اس کے پر شکن کپڑوں پر ایک نظر ڈال کر وہ بولا۔

"ٹھیک ہے' آؤ۔" وہ اسے لے تو آیا لیکن وہ سارا وقت سوگ کی کیفیت میں ہی مبتلا رہی۔ نہ تو اس نے انجوائے کیا اور نہ ہی کچھ کھایا پیا۔ بگڑے موڈ سے گئی تھی اسی موڈ میں واپسی بھی ہوئی۔

☼ ☼ ☼

شوکت اسے ہمایوں سرور کے بارے میں بتا رہا تھا۔

"وہ آج کل کچھ زیادہ ہی جوش دکھا رہا ہے۔ کسی دن میرا ضبط جواب دے گیا تو بہت برا ہو گا۔" وہ بہت غصے میں لگ رہا تھا' زویزان نے پوچھا۔

"توفیق والے معاملے پر۔"

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کہہ رہا ہے کہ ہم اسے سپورٹ نہیں کریں اور یہ کہ ہم تو پیسے لے رہے ہیں' وہ اکیلے ہمیں ہضم کرنے نہیں دے گا۔ وہ اس بات پر برہم ہے کہ توفیق کے معاملے میں ہم کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔ اگر توفیق کو ہم سپورٹ نہ کرتے تو وہ پریشانی کے عالم میں اسی کے پاس آتا۔ توفیق کہتا ہے کہ میں اب مزید ہمایوں سرور کے ہاتھوں بے وقوف نہیں بنوں گا۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے ہم پر اعتبار کیا ہے' اب وہ کسی اور سے یہ مسئلہ حل نہیں کروائے گا۔" اس کے خاموش ہوتے ہی زویزان بولا۔

"ہمایوں سرور ویسے ہی بکتا رہتا ہے' اس کی باتوں پر اتنا مت کڑھو' وہ کچھ نہیں کر سکتا۔" اس نے شوکت کو سمجھایا۔ اور اپنے کمرے میں آ گیا۔

وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹا نگین سے آج ہونے والی ملاقات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ نگین سے مل کر اسے لگتا تھا کہ زندگی میں جینے کے لیے سب کچھ ہے' ورنہ تو وہ زندگی سے بالکل مایوس ہو جاتا تھا۔ نگین سے ہو کر سوچوں کا رخ صفا کی جانب مڑا تھا۔ اس کا خیال آتے ہی اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا فون اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کیا۔ سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر وہ اس کی کال ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ وہ سمجھ کر ریسیور رکھ چکا تھا۔ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے سنجیدگی سے اس کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ لڑکی اس کے لیے بہت بڑا امتحان بنے گی' اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو زویزان! تم توفیق کے معاملے میں ٹانگ مت اڑاؤ' ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔" ہمایوں سرور فون پر اسے دھمکا رہا تھا۔

"تم سے برا کوئی نہیں ہے۔ یہ حقیقت مجھ سمیت سب کو معلوم ہے۔ جہاں تک توفیق کی بات ہے' میں اسے سپورٹ کروں گا اگر دو فریقوں میں صلح ہو رہی ہے تو تمہیں کیا تکلیف ہے۔" وہ فوراً بولا۔

"میں چاہتا ہوں تم توفیق کو مایوس کرو تاکہ وہ میرے پاس آئے' میں اس کے بدلے تمہارے کسی کام آؤں گا۔" اس نے کچھ سیاسی چال چلنی چاہی۔

"ہرگز نہیں' میں جو ایک بار زبان دے دوں تو پھر مکرتا نہیں' توفیق کو میری طرف سے سپورٹ ملے گی' ہر صورت۔" ہمایوں سرور اس کے جواب پر دہک اٹھا تھا' تب ہی ذلالت پر اتر آیا۔

"سنا ہے تم آج کل کسی لڑکی کو ساتھ لیے پھرتے ہو۔ اسے اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ کہیں توفیق نے

رشوت میں تو۔۔۔ اس قدر غیر اخلاقی زندگی گزارنے سے تو۔۔۔"

اس نے چلاتے ہوئے اس کا جملہ یکدم کاٹا۔

"تمہارا کمینہ ذہن یہ ہی سوچ سکتا ہے۔ اگر تم نے ایک بھی لفظ مزید غلط کہا تو میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تمہیں تمہاری بیوی تک نہ پہچان پائے گی۔" فون بند کرتے ہی وہ اشتعال کے عالم میں ٹہلنے لگا۔ ہمایوں کی بات نے اس کے اندر باہر آگ لگا دی تھی۔

"اس نے جو کہا' ہو سکتا ہے دوسرے بھی ایسا ہی سوچتے ہوں۔" وہ سوچ رہا تھا۔ ساری رات سونے کے بجائے وہ ہمایوں کی بات پر کڑھتا رہا تھا۔ ہمایوں نے جو کہا تھا' وہ اس لڑکی کی زندگی کو تباہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ یہ بات اگر اس حوالے سے پھیل رہی تھی تو اس کے ساتھ اس لڑکی کی بھی بدنامی اس کے اچھے مستقبل پر اثرانداز ہو سکتی تھی۔ بات جہاں غیرت کی آجائے وہاں کچھ نہیں دیکھا جاتا۔ ہمایوں نے جس انداز سے اس پر طنز کر کے اس کی غیرت کو للکارا تھا' اس کا ایک ہی جواب تھا۔ اس جواب سے اگرچہ اسے اور نگین کو تکلیف ہوئی لیکن اس لڑکی کی زندگی کو بچانے کے لیے یہ راستہ منتخب کرنا ضروری تھا اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہم نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہمارے بیچ کوئی یوں چلا آئے گا۔ جو ہمارے بیچ دیوار کی طرح کھڑا ہو جائے گا اور ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دے گا۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ کچھ توقف کر کے کہنے لگا۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ تمہیں تکلیف ہو گی مجھے بھی ہو رہی ہے۔ ہر روز ہو گی پر جب تم ایک اچھے سے بندے سے شادی کر لو گی تو ہو سکتا ہے کہ یہ تکلیف ختم ہو جائے میں تمہیں یاد نہ آؤں اور تم مجھے یاد نہ آؤ تم نے کبھی سوچا تھا کہ ہمارے بیچ یوں جدائی آجائے گی۔ جب ہم دونوں چاہتے ہوئے بھی نہ مل پائیں گے۔ ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کتنی تکلیف دیتی ہے نا یہ جدائی یہ محبت بہت دکھ دیتی ہے۔ میں نے تمہیں سوائے تکلیف کے کچھ نہیں دیا۔ پر آج بھی نگین میں تمہیں چاہتا ہوں۔" وہ رو رہی تھی وہ خود بھی رونا چاہتا تھا۔ لیکن رو نہیں سکتا تھا اس وقت ان دونوں کو ماحول بہت سوگوار لگ رہا تھا اپنی ذات کی طرح' جھیل کے پانی پر ویسا ہی سکوت تھا جیسے ان پر چھایا ہوا لگ رہا تھا۔ کہیں کہیں کسی پرندے کی چہچہاہٹ زندگی کے وجود کا احساس دلا دیتی تھی۔ جھیل کے گہرے نیلے پانی میں نظر آتے پہاڑوں کے عکس کو دیکھتے وہ دونوں بالکل خاموش ہو گئے تھے۔

وہ اس سے ملنے آیا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ یکدم اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگی اس نے روکا مگر وہ پھر بھی چلی گئی وہ اس کے پیچھے کمرے میں چلا آیا۔ وہ اسے کافی کمزور مرجھائی سی لگ رہی تھی۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی اس سے بے نیاز تھی۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" زویزان پر ایک خشک نگاہ ڈال کر بڑے روکھے انداز میں بولی۔

"مجھے اپنی فرینڈ کے گھر جانا ہے اس وقت میرے پاس وقت نہیں تمہاری بات سننے کا۔" اس کی بات پر کوئی رد عمل ظاہر کیے بنا وہ بولا۔

"کل ہمارا نکاح ہے۔ سنڈے کو میرج ہال میں دعوت ہے۔ تم آج شوکت اور صفورا خالہ کے ساتھ شاپنگ کرنے چلی جاؤ جو بھی خریدنا ہو خرید لینا بل شوکت ادا کرے گا۔" اس کی بات پر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ اسے ناقابل یقین نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"جو کہہ رہا ہوں سمجھ میں آیا۔" اس نے تائید چاہی۔

"میں اپنی فرینڈز کو بلاؤں۔" پل بھر میں ساری خفگی بھلائے وہ کچھ پرجوش انداز میں بولی۔

"دعوت سنڈے کو ہے اس دن بلا لینا۔" اس کے کمرے سے نکلتے ہی وہ خوشی خوشی اپنی فرینڈز کو فون ملانے لگی۔

digest novels lovers group

سنڈے کو میرج ہال میں دعوت تھی۔ جس میں علاقے کے بڑے اہم اور معتبر لوگوں نے شرکت کی تھی۔ برائیڈل ڈریس میں اس کا دو آتشہ حسن مرکز نگاہ بنا ہوا تھا۔ شادی میں اس کی فرینڈز نے بھی شرکت کی تھی۔ نگین بھی آئی تھی وہ صفا سے بطور خاص ملی تھی۔ سارے فنکشن کے دوران زویزان نگین کے ساتھ ہی رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

نئی زندگی کی شروعات ہی لڑائی سے ہوئی تھی۔ اس نے کمرے میں قدم رکھا تو وہ اسے بیڈ پر لیٹی نظر آئی۔ اسے دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھی لیکن زویزان کو اس کا موڈ بہت خراب لگا اس کا چہرہ میک اپ سے عاری تھا۔ وہ ایک عام سے سوٹ میں ملبوس تھی۔ وہ خاموشی سے قدم اٹھاتا اس کے پاس آکر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ وہ بالکل لا تعلق نظر آرہی تھی۔ چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”منہ تمہارا میں پہلے ہی دیکھ چکا ہوں۔ اس لیے منہ دکھائی کی رسم فضول ہے یہاں جو کچھ ہے وہ سب تمہارا ہے۔“ اور پھر ایک گہری نظر اس کے چہرے پر ڈال کر بولا۔

”تمہارے اس سوگ کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں اگر بتا دو تو مہربانی ہوگی۔“ اس کے خاموش ہونے پر پہلے تو وہ کچھ پل اسے ترش نظروں سے دیکھتی رہی پھر پھٹ پڑی۔

”میرے سوگ کو اب محسوس کیا ہے تم نے، صبح سے کہاں تھے۔ صبح تمہیں یہ خیال آ بھی کیسے سکتا تھا۔ تمہارے پاس تو نگین تھی۔ ساری دعوت میں تم اس کے گرد منڈلاتے رہے۔ میرے بارے میں ذرا بھی سوچا۔ دعوت کے بعد تم یہاں چلے آئے۔ پھر منہ تو تم نے اس وقت منہ اٹھا کر سوگ کے بارے میں پوچھنے آئے ہو۔ تمہیں میری پروا نہیں ہے میں پہلے ہی حیران تھی کہ نگین کے ہوتے تم مجھ سے شادی کیسے کرو گے۔ لیکن مجھے اب پتہ چلا ہے۔ تم دونوں نے کوئی پلان بنایا ہے۔ ادھر مجھے بے وقوف بنا کر شادی کا ڈھونگ رچایا ہے اور خود تم دونوں شادی کر کے اس دوسرے گھر میں ہمیشہ ساتھ رہو گے۔ یہی پلاننگ ہوگی تمہاری۔ تم تو پلاننگز کے ماہر ہو۔“ وہ شوز اتارنے لگا تھا۔

وہ اسے شوز اتارتا دیکھ کر بھی رکی نہیں تھی برابر بولتی رہی تھی۔

”تم نگین سے محبت کرتے ہو مجھ سے نہیں۔ جب اس سے محبت کرتے ہو تو شادی کیوں نہیں کی اس کے ساتھ۔“ شوز اتار کر اس نے شرٹ کے بٹن کھولنے شروع کیے تھے۔

”کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے۔“

”میں نگین سے محبت کرتا تھا پر اب تم سے محبت کرتا ہوں۔ محبت تو میں شوکت سے بھی کرتا ہوں صفورا خالہ سے بھی کرتا ہوں تمہاری مس ہما سے بھی کرتا ہوں ہر اچھے انسان سے کرتا ہوں اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر ایک سے شادی بھی کروں گا۔“ وہ اسے رام کرنے لگا تھا۔

”پر تم نے کہا تھا کہ تم شادی کرو گے تو نگین سے ورنہ نہیں۔“ اس نے شکی لہجے میں پوچھا۔

”ہاں کہا تھا میں نے 'اس وقت غصے میں کہا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں واقعی نگین کے لیے سیریس تھا۔“ اس کا لہجہ اتنا یقینی تھا کہ صفا یعقوب کو اس کی بات پر یقین کرنا پڑا۔

بیڈ پر دراز ہو کر اس کا ہاتھ اپنے دل پر رکھ کر وہ اس کے اندر کی عورت کو خوش کرنے کے لیے چاند ستاروں کی باتیں کرنے لگا تھا۔ اس کے حسن نوخیز کی تعریف میں رطب اللسان وہ اسے یقین کی اس منزل پر لے گیا تھا جہاں صفا یعقوب کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ اسے دیوانہ وار چاہتا ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ اسی گھر میں تھی۔ وہ وہاں بار بار جانے کی ضد کر رہی تھی جسے زویزان مسترد کر رہا تھا۔ کئی بار وہ اسے

اچھا خاصا ڈانٹ چکا تھا لیکن ہر دوسرے دن وہ یہی موضوع لے کر بیٹھ جاتی تھی۔ رات وہ یہیں رہا تھا۔ صبح جب وہ بے دار ہوا تو وہ یونہی لیٹی ہوئی تھی۔ اسے لیٹے دیکھ کر رسٹ واچ سائیڈ ٹیبل پر سے اٹھا کر اس نے ٹائم دیکھا۔ صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ رسٹ واچ واپس رکھ کر اس نے گردن موڑ کر ہاتھ بڑھا کر جگانا چاہا۔ وہ نہیں اٹھی تو وہ اسے زور سے ہلا کر جگانے لگا۔ وہ مندی مندی آنکھوں سے کسلمندی سے اٹھ گئی۔

"کیا ہے۔" وہ ابھی تک نیند میں تھی۔

"کالج نہیں جانا تمہیں۔"

"نہیں۔" کہہ کر وہ پھر سے لیٹ گئی۔ وہ ایک بار پھر اسے اٹھانے لگا۔

"اٹھو دیر ہو رہی ہے۔"

"میں نہیں جا رہی۔" وہ جھنجلاتی ہوئی بولی۔

"کیوں؟" وہ ہنوز لیٹا ہوا تھا۔

"اب کیا کرنا ہے پڑھ کر میرا دل نہیں چاہ رہا۔" اس کے جواب پر وہ تپ اٹھا۔

"اٹھو تیار ہو میں تمہیں چھوڑ کر آؤں گا اور یہ شوکت اسے تو دیکھتا ہوں میں۔ اتنے دن سے تم نہیں جا رہیں مجھے بتایا تک نہیں۔" وہ واقعی غصے میں آگیا تھا۔ شوکت والی بات پر وہ گھبرا اٹھی اور بے ساختگی میں بولی۔

"شوکت بھائی کو تو میں نے منع کیا تھا۔" وہ معصوم سی شکل بنائے اسے رحم طلب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"تیار ہو جاؤ میں لے کر جا رہا ہوں تمہیں۔" اس کے کہتے ہی وہ فوراً بولی۔

"پلیز آج میری طبیعت خراب ہے۔ میرے سر میں درد ہے۔" اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر اس نے بات میں وزن پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"میں مذاق نہیں کر رہا اٹھو تم۔" وہ سخت لہجہ میں بولا تو وہ بادل ناخواستہ تیار ہو گئی لیکن احتجاجاً ناشتہ نہ کر کے ہی کالج چلی گئی۔

* * *

وہ بار بار اس کے موبائل پر کال کر رہی تھی لیکن موبائل آف تھا۔ وہ جھنجلائی پھر کچھ سوچ کر اس نے ڈیفنس والے گھر کا نمبر ملایا۔ ملازمہ سے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ نگین کے ساتھ کہیں باہر گئے ہیں۔ اس نے فون بند کر دیا۔ اس وقت اس کا وجود غصے کی آگ سے دہک اٹھا تھا۔ پھر سارا وقت اسے موبائل پر کال کرتی رہی تھی۔ لیکن وہ بدستور آف ہی تھا۔ رات دس بجے کے قریب اس نے ایک بار پھر ملازمہ سے اس کی بابت دریافت کیا جس پر اس نے ان دونوں کے گھر آنے کی اطلاع دی تھی۔ اس نے پھر اس سے بات کی ہی نہیں۔

ملازمہ اسے بتا چکی تھی کہ وہ سارا دن فون کر کے اس کے بارے میں پوچھتی رہی ہے اور یہ کہ وہ اسے بتا چکی ہے کہ صاحب نگین کے ساتھ باہر گئے ہیں۔ وہ تشویش زدہ ہو گیا تھا اب ایک نیا مسئلہ... وہ سوچ رہا تھا۔ وہ بغیر کھانا کھائے اور آرام کیے اس کے پاس چلا آیا تھا۔ سارا دن نگین کے ساتھ گزار کر جو خوشگواریت سی دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی اسے کچھ پل کی مہمان لگ رہی تھی۔ اسے صفا کو ڈیل کرنا آتا تھا وہ دو جملوں میں ساری ناراضی بھلا دینے والی تھی۔ اس لیے وہ کچھ زیادہ ٹینس بھی نہیں تھا۔ وہ آیا تو وہ اسے لان میں ٹہلتی دکھائی دی۔ وہ سیدھا اس کے پاس آیا اور خود ہی سلام کیا جس پر وہ اسے رکھائی سے جواب دیتی پلٹ کر جانے لگی۔

"میں نے کھانا نہیں کھایا۔" اس نے کچھ ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"تو میں کیا کروں۔" رک کر اسے جواب دیتی وہ مزید بولی۔

"میں تمہاری آیا ہوں جو میرے پاس چلے آئے۔ سارا دن گزار کر اب مجھ سے خدمتیں کروانے چلے آئے ہو۔ اسی سے کہو جسے گھما پھرا کر آئے ہو۔" وہ گھاس پر بیٹھ کر رونے لگی۔ وہ بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"سارا دن میں اس کے پاس نہیں تھا وہ کل امریکہ جا رہی ہے۔ وہ میری دوست ہے میں نے اسے [illegible]

digest novels lovers group

مدعو کیا تھا گھر پر اس لیے نہیں بلوا سکا کہ اچانک اسے جانا پڑا تھا۔ اگر تمہیں یقین نہ آئے تو ابھی فون کر کے کسی سے بھی پوچھ سکتی ہو۔ اگر تمہارے خیال میں کسی دوست کو لنچ پر یا ڈنر پر مدعو کرنا بری بات ہے تو آئندہ میں یہ بری حرکت کبھی نہیں کروں گا۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ وہ یکدم بول اٹھی۔

"تو سارا دن گزارنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"سارا دن نہیں گزارا میں نے میں تو شاہ پور گیا تھا وہیں سے آ رہا ہوں۔"

"موبائل کیوں آف تھا۔" وہ جرح کرتی بولی۔

"پتہ نہیں آف تو نہیں تھا اگر غلطی سے ہوا ہو تو اور بات ہے۔" اسے ہر طرح سے مطمئن کر کے اب اس کے چہرے پر ہلکا ہلکا تبسم ابھر آیا۔

"کیا کھاؤ گے؟" وہ اب قدرے نارمل ہو چکی تھی

"جو تم کھلاؤ۔" وہ بھی اٹھ گئی۔ کھانے کے بعد اس نے کافی بنائی۔ وہ اس قدر تھکا ہوا تھا کہ بستر پر لیٹتے ہی سو گیا وہ بھی ہلکے پھلکے ذہن کے ساتھ سونے کی تیاری کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

اس کی پڑھائی کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ وہ بالکل فارغ تھی۔ امتحانات سے جان چھوٹنے پر وہ بہت خوش تھی۔ شادی کے بعد تو ساری دلچسپی ختم ہو گئی تھی پڑھائی میں کالج وہ صرف اور صرف زویزان کے خوف سے جا رہی تھی۔

وہ پچھلے کچھ دنوں سے نہیں آیا تھا وہ اسے کسی دوسرے شہر جانے کا کہہ کر گیا تھا ایک ہفتہ وہاں رہنے کے بعد وہ آ تو گیا تھا لیکن ہنوز اس سے ملنے اس کے گھر نہیں آیا تھا۔ پچھلے دو تین دنوں سے وہ بار بار فون کر کے اسے آنے کا کہہ رہی تھی لیکن اس کے نہ آنے کے آثار دیکھ کر اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے موبائل کا نمبر ملا کر اس نے ریسیور ملازمہ کو تھمایا اور اسے وہی کچھ کہنے کو کہا جو وہ اسے سمجھا چکی تھی۔

"صاحب جی! میں صفورا بات کر رہی ہوں وہ بیگم صاحبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ جی بہت خراب ہے۔ جی وہ بے سدھ پڑی ہیں۔ اچھا جی۔" ریسیور اس نے صفا کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"کیا کہہ رہا تھا۔" فون بند کرتے اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"وہ آ رہے ہیں جی۔" وہ کچھ پریشان کن لہجہ میں بولی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ وہ غصہ ہوں گے۔" اس نے تسلی کے انداز میں کہا۔

"کچھ نہیں ہو گا میں ہوں نا۔" تقریباً" دس منٹ میں وہ وہاں پہنچا تھا۔ وہ کمرے میں جھانک چکا تھا وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ پریشان سا کچن میں آیا کہ ملازمہ سے اس کے بارے میں پوچھ سکے لیکن اسے وہاں ہنستے مسکراتے دیکھ کر وہ دروازے میں ہی رک گیا۔ ان کی نظریں جوں ہی اس پر پڑیں۔ صفورا خالہ فوراً" کمرے سے نکل گئیں۔ زویزان کی نظریں صفورا خالہ سے ہو کر سلاد کاٹتی صفا پر پڑی تھیں وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ وہ اس کے قریب آیا۔ جس چہرے پر کچھ دیر قبل پریشانی تھی اب وہاں غصہ جھلکنے لگا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اس وقت غائب ہوئی تھی جب اس کے منہ پر زور کا تھپڑ لگا تھا۔

"تمہیں ہر وقت مذاق سوجھتا ہے۔ کبھی سنجیدہ بھی ہو گی تم؟ تمہیں پتہ ہے کہ میں کس قدر پریشانی کے عالم میں یہاں آیا ہوں۔ شوکت کو ہسپتال میں چھوڑ کر آیا ہوں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہے وہ تمہیں کسی بات کا احساس ہے بھی یا صرف اپنا سوچتی رہتی ہو۔"

وہ اس پر تیز آواز میں برس رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پانی جھلملانے لگا تھا۔ اسے یونہی روتا چھوڑ کر وہ چلا گیا اور پھر رات کو ہی اس کی واپسی ہوئی تھی۔ وہ اسے ڈھونڈتا ہوا اسٹڈی روم میں آیا تھا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے دونوں بازو گھٹنوں کے گرد باندھے بیٹھی کسی

سوچ میں گم تھی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے ہلکے ہلکے دبانے لگا۔ وہ بالکل خاموش رہی تھی۔ پھر اپنا بازو اس کے گرد حمائل کر کے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے بولا۔

"ناراض ہو تم۔" اس کے کہتے ہی وہ شدت سے رونے لگی تھی۔ رونے کے دوران ہی وہ کہنے لگی۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ ایسا کچھ ہوا ہے غلطی میری بھی نہیں تھی۔ مجھے کوئی الہام نہیں ہوا تھا۔ جب مجھے بتایا ہی نہیں تم نے تو اس میں میرا قصور کیونکر ہوا۔ تم مجھے بتا سکتے تھے کہ تم شوکت بھائی کی وجہ سے نہیں آ رہے۔ پچھلے سولہ سترہ دنوں سے تم غائب تھے میں سمجھی تم مجھے بھول گئے ہو۔" اس کے آخری جملے پر وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"تم کاغذ ہو یا پین کہ تمہیں بھول گیا تھا۔ میں تمہیں اس لیے نہیں بتانا چاہتا تھا کہ تم پریشان ہو جاؤ گی۔ اور پھر میں اس وقت اس کنڈیشن میں ہرگز نہیں تھا کہ تمہیں یا کسی کو بھی تفصیلات بتاتا پھرتا۔ اس وقت میرے تین آدمی زخمی تھے شوکت کی حالت سیریس تھی۔ اب تو وہ اللہ کے فضل سے بچ گیا ہے میں اس وقت کتنا ڈسٹرب تھا تمہیں اس کا اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔ نوشہرہ سے آنے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ میں تمہارے پاس آنے والا تھا لیکن اس واقعہ کے رونما ہونے کے بعد میں نہیں آ سکا۔ تمہیں بتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس لیے میں نے تمہیں پریشان نہیں کیا۔ اگر میں تمہارے پاس نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں تمہیں بھول گیا ہوں، تم بیوی ہو میری میں دنیا کے جس کونے میں بھی جاؤں لوٹ کر تمہارے پاس ہی آؤں گا۔ تمہیں اس بات کا اعتبار کرنا چاہیے۔ تمہاری اس فضول حرکت نے مجھے کتنا پریشان کیا اس کا تمہیں اندازہ نہیں۔ ادھر شوکت زخمی پڑا ہے ادھر تمہاری طبیعت کی خرابی کا سن کر میرے اوسان ہی خطا ہو گئے تھے۔ اگر تمہیں مجھے بلانا ہی تھا تو سیدھا سیدھا کہہ سکتی تھیں کہ تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو، میں آجاتا۔ پر اس طرح سے بلانا بالکل غلط حرکت تھی۔" وہ اسے اچھا خاصا شرمندہ کر گیا تھا۔ وہ سر جھکائے اس کی لعن طعن سن رہی تھی۔

"میں کئی مرتبہ تمہیں آنے کو کہہ چکی تھی تم نہیں آ رہے تھے۔" اس نے رندھی ہوئی آواز میں وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

"تم نے ہر بار یہی کہا تھا کہ میں کب آ رہا ہوں تم سے ملنے۔ تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم مجھ سے ہر صورت ملنا چاہتی ہو۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ وہ اب بھی بے آواز رو رہی تھی۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ساری غلطی تمہاری ہے میرا بتانے کا مقصد یہ ہے کہ تم میری مجبوریوں کو سمجھا کرو۔"

"آئندہ میں ایسا نہیں کروں گی۔" اس کے خاموش ہوتے ہی اس نے فوراً کہا تھا۔ زویزان کے سینے سے ایک بوجھ سرکا تھا وہ اپنی حرکت پر وہ بہت پچھتایا تھا تبھی ازالے کے طور پر وہ اس کے پاس آیا تھا تاکہ اسے منا سکے۔ وہ اسے منا چکا تھا۔ اس کا سر اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے وہ اس کے بالوں میں دھیرے دھیرے انگلیاں چلانے لگا اس کی زبان سے وہی الفاظ نکلنے لگے تھے جسے سننا اس عورت کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہوا کرتی تھی۔

☼ ☼ ☼

شوکت ڈسچارج ہو کر گھر آیا تھا۔ باقی دو گارڈ جو معمولی زخمی تھے اب صحت یاب ہو چکے تھے۔ زویزان کی ساری ٹینشن ہی دور ہو گئی تھی۔ شوکت کو وہ اپنا سمجھتا تھا اس کے ساتھ پیش آنے والے حادثے نے زویزان کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا کئی دنوں کی تھکن نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔

"تم آرام کرو میں بھی سونے جا رہا ہوں۔" وہ اسے آرام کی تلقین کرتا لائٹ آف کر چکا تھا۔ ہسپتال سے وہ اسے اپنے گھر ہی لایا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا پر نیند نہیں آ رہی تھی۔ کافی دیر کی کوشش جب

سو رہی تو وہ اٹھ گیا۔ سہ پہر کے ڈھائی بج رہے تھے اٹھ کر شوز پہن لیے۔ بالوں میں برش پھیرا اور گلاس زا اٹھا کر وہ کمرے سے نکل آیا پورچ میں آکر وہ ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کو کہہ کر ریحان سے بات کرنے لگا۔ پھر گاڑی کے نکلتے ہی وہ ریحان کے ہمراہ بیٹھ گیا۔ وہ روم میں گیا تو دیکھا وہ سو رہی ہے۔ وہ اس کے قریب بے دلی سے لیٹ کر اسی کے متعلق سوچنے لگا۔ کئی مرتبہ اس کا دل چاہا کہ اسے جگائے لیکن پھر دل خود ہی نفی کر دیتا تھا' اس ہاں ناں کی کیفیت کے دوران اسے کب نیند آئی وہ بے خبر تھا۔ جب آنکھ کھلی تو چھ بج رہے تھے۔ اتنی لمبی نیند کے بعد اس کی طبیعت قدرے بشاش ہو گئی تھی۔ دل و دماغ میں ایک سکون آمیز لہر دوڑ گئی تھی۔ چند لمحے وہ یونہی خالی الذہن لیٹا رہا پھر اٹھا۔ اٹھتے ہی پہلے اس نے شوکت سے بات کی اس کے بعد وہ کمرے سے نکلا ملازمہ سے کہہ کر اس نے چائے منگوائی اور ساتھ ہی صفا کو بلانے کا کہا۔ وہ بیڈ سے ٹیک لگائے دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر ہی میں چائے کا کپ لیے چلی آئی۔

"کیا کر رہی تھیں تم؟" اسے اپنے قریب بیٹھتے دیکھ کر اس نے کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ایسے ہی بس۔" وہ ناخنوں سے کھیلتی بولی۔

"کیا ایسے ہی بس۔" اس کے سوال پر وہ بولی۔

"کچھ نہیں۔" اسے مناسب جواب نہ سوجھ رہا تھا۔

"کیا کچھ نہیں؟" وہ کنفیوز ہونے لگی۔

"[illegible] نہیں۔" اب کی بار وہ بولی۔

"[illegible] نہیں۔" وہ چائے کا سپ لیتا بولا۔

"[illegible] بات ہوئی۔" وہ جھنجلاتی بولی۔

"کون سی بات۔" وہ آنکھوں میں حیرت ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

"[illegible] رہے ہو۔"

"[illegible] تو کچھ نہیں کہا۔" وہ مزید حیرت ظاہر [illegible]

"ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں۔" وہ اٹھنے لگی۔

"بیٹھو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا چکا تھا۔

"ویسے تو ہر وقت چلاتی رہتی ہو کہ میں تمہارے پاس نہیں آتا۔ جب آتا ہوں تو تم لفٹ ہی نہیں کراتیں۔ ڈھائی بجے میں آیا تھا۔ تم مزے سے بے خبر سوتی رہیں اور پھر صبح سے چھپی بیٹھی ہو۔" وہ اس کی شرٹ کے بٹن کے ساتھ کھیلتی ہوئی بولی۔

"تمہیں کب میری پروا ہے۔" اس کے شکوے پر وہ مسکرایا تھا۔

"اچھا مجھے نہیں تو کسے ہے۔" وہ پوچھ رہا تھا۔

"شوکت بھائی کو۔" اس کے برجستہ جواب پر وہ مسکرایا۔

"مجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے وہ تم سے۔"

"ہاں۔ وہ بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے۔ بیمار وہ خود ہیں لیکن خیریت میری پوچھتے رہتے ہیں ہر روز فون کر کے۔" سادگی سے کہے گئے جملے پر زویزان دل کھول کر مسکرایا تھا۔

"یعنی میں ہر روز تمہاری خیریت نہیں پوچھتا۔" وہ سپ لیتے ہوئے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ چکا تھا۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔" وہ ناراض ہونے لگی۔

"تو پھر۔"

"تو پھر کیا وہ ہر روز میرا حال دریافت کرتے ہیں مجھ سے محبت کرتے ہیں میرا خیال رکھتے ہیں۔" وہ خوبیاں گنوانے لگی تھی۔

"یہ سب میں نہیں کرتا۔"

"نہیں۔" وہ صاف مکر گئی۔

"تو پھر کیا سزا ہونی چاہیے۔" وہ سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"کس کی۔"

"میری۔"

"مجھے کہیں گھمانے لے جاؤ۔"

"بس یہی سزا۔"

"اچھا پہلے یہ سزا تو کاٹ لو۔ بڑے آئے انصاف پسند۔" وہ مذاق اڑانے لگی

"انصاف پسند نہیں ہوں۔"

digest novels lovers group

"نہیں۔" ایک سیکنڈ کی تاخیر کے بنا جواب دیا گیا۔
"ٹھیک ہے کل ہی میں تمہیں گھمانے پھرانے نادرن ایریاز لے کر جا رہا ہوں۔" وہ سگریٹ کے کش لیتا بولا۔
"سچ کہہ رہے ہو۔" اسے یقین نہ آیا۔
"ہاں۔ جتنے دن رہنا ہے یہ تم ڈیسائیڈ کرو گی۔ کہاں کہاں جانا ہے یہ فیصلہ بھی تمہارا ہو گا۔ میں صرف بطور گارڈ جا رہا ہوں تمہارے ساتھ۔" وہ یکلخت اٹھی تھی۔
"کہاں جا رہی ہو۔" وہ حیرت بھری آواز میں بولا۔
"تیاری کرنے بیگ تیار کرنے میں خاصا وقت لگتا ہے۔" جانے وہ اور کیا کچھ کہہ رہی تھی کہ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔
"تیاری میں میں تمہاری ہیلپ کر دوں گا۔ فی الحال تم یہاں بیٹھ کر یہ طے کرو کہ تم کہاں کہاں جاؤ گی اور کیا کچھ خریدو گی۔" وہ اسے ایک وسیع موضوع دے کر اسے بولنے پر آمادہ کر کے اس کی دلچسپ گفتگو سننے لگا تھا۔ اس کی باتیں اس پر عجیب سا سرور طاری کر دیتی تھیں۔ اس کی آواز اسے دنیا مافیہا سے بے خبر کر دیا کرتی تھی۔ یہ آواز اسے دنیا کے مصائب سے چھٹکارا دلا کر اسے ایک معصوم خواہشوں کی دنیا میں لا کر راحت و سکون بخش دیا کرتی تھی۔ یہ آواز سکون آور دوا تھی۔ یہ دوا اس کے تن من پر چھا کر اسے ہر چیز سے لاتعلق کر دیا کرتی تھی ہر دکھ ہر غم ہر تکلیف سے 'وہ صفا یعقوب کو اپنے لیے بہت بڑا ٹانک تصور کرتا تھا۔ وہ اس کے ذہن پر چھائی ڈسٹربنس کی دھند کو منٹوں میں دور کر دیتی تھی۔ اور یہی صفا یعقوب کا کمال تھا جسے وہ خود نہ جانتی تھی۔

☼ ☼ ☼

بادلوں کی گرج اور تیز بارش نے ماحول پر سناٹا سا طاری کر دیا تھا تیزی سے گرتی بوندوں کی آواز ہی ماحول پر چھائی محسوس ہو رہی تھی۔ بارش نے ساری دھرتی کو نہلا دیا تھا۔ وہ برآمدے میں آیا شوکت پہلے ہی کرسی پر بیٹھا بارش سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولا۔
"بارش کب سے ہو رہی ہے؟"
"چار بجے سے جاری ہے وقفے وقفے سے۔ اب تو مسلسل ہو رہی ہے۔" اس کے کہتے ہی وہ گریبان کے اوپری بٹن کھولتا ہوا بولا۔
"اچھا ہے کچھ دنوں سے گرمی بڑھ رہی تھی۔" اس دوران ملازم چائے لے کر آیا تھا۔
"میرا موبائل لانا۔" ملازم سے کہہ کر وہ شوکت کو بھی چائے کی طرف متوجہ کر چکا تھا۔ دونوں کپ اٹھا کر ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگے۔ چائے کا خالی کپ ٹیبل پر رکھ کر وہ بڑی محویت سے برستی بارش کو دیکھنے لگا۔ شوکت اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے بولا۔
"تم جاؤ گے۔"
"کہاں؟" اس نے پوچھا۔
"جہاں اس وقت جانے کو دل چاہ رہا ہے۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ جبکہ وہ خفت سے مسکرایا تھا۔ کچھ پل بعد شوکت کہہ رہا تھا۔
"تم دونوں کو خوش دیکھ کر میرا دل کس قدر اطمینان محسوس کرتا ہے میں تمہیں بتا ہی نہیں سکتا۔" وہ اس کے بن کہے ہی جانتا تھا کہ وہ ان کی خوشی میں خوش ہونے والا ایک مخلص دوست ہے۔
"بارش بہت تیز ہے۔" اس نے موضوع بدلتے ہوئے بولا۔
"ورنہ تم جاتے۔" شوکت نے ایک بار پھر بات پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ خجالت سے صرف مسکرایا تھا۔
"تم بیٹھو میں گھر فون کر کے آتا ہوں۔" شوکت اٹھ گیا۔ شوکت کے جاتے ہی اس نے صفا کو فون کیا۔ فون ملازمہ نے اٹینڈ کیا۔
"صفا سے بات کراؤ۔"
"وہ تو باہر لان میں ہیں۔" اس کے کہتے ہی وہ بولا۔
"رہنے دو۔" لائن کاٹ کر وہ عجلت سے اٹھا۔

برآمدے سے نکل کر اس نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا بارش بہت تیز تھی اور کالے بادل چھائے ہوئے تھے پر دل کی حالت کچھ عجیب سے ہو گئی تھی ڈرائیور سے گاڑی نکلوا کر وہ فوراً روانہ ہوا۔ چوکیدار اسے اس قدر تیز بارش میں تنہا ڈرائیور کے ساتھ آتے دیکھ کر حیران سا ہوا تھا لیکن بولا کچھ نہیں تھا۔ وہ اندر نہیں گیا تھا اسے پتہ تھا کہ وہ باہر لان میں ہی ہوگی۔ سامنے والے لان میں نہیں تھی اس کا مطلب تھا کہ وہ پچھلے لان میں تھی۔ وہ سیدھا وہیں آیا۔ آتے آتے سارے کپڑے بھیگ چکے تھے۔ وہ اسے پچھلے لان کے برآمدے کی سیڑھی پر بیٹھی مل گئی۔ وہ اسے اس قدر موسلا دھار بارش میں دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"اتنی بارش میں آگئے تم۔"

"تو کیا ہوا۔" پھر کچھ پل بعد کہنے لگا۔

"کسے بیٹھ کر یاد کر رہی تھیں تم۔" اس کے سوال پر وہ بے ساختہ بولی۔

"میں اپنی فرینڈز کو یاد کر رہی تھی۔ تمہیں پتہ ہے ہم کالج میں کس قدر ہنگامہ کرتے تھے اس موسم میں۔ کینٹین والے کا تو بیڑہ غرق ہو جاتا تھا۔ بے چارہ۔" وہ تاسف بھرے انداز میں بولی۔ پھر وہ کالج کے واقعات سنانے لگی ساتھ ہی وہ دل کھول کر ہنس رہی تھی۔

"اگر صفا کو کچھ ہوا تو زویزان مر جائے گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔ اس کی بات پر ایک پل کو صفا کے چہرے پر سنجیدگی در آئی تھی۔ پھر فوراً ہی اپنی جون میں آتے کہنے لگی۔

"تم پی پلا کر تو نہیں آرہے۔ جو بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں ہماری ٹیچر کہتی ہیں کہ جب مرد بہکی بہکی باتیں کرے تو سمجھ لو کہ وہ ڈرنک کر کے آرہا ہے۔"

"تمہاری ٹیچر نے یہ نہیں بتایا کہ بہکا ہوا مرد بہکی بہکی باتیں بھی کرتا ہے۔" اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"نہیں یہ تو انہوں نے نہیں کہا۔" پھر کچھ توقف کر کے یکدم کہنے لگی۔

"پتا ہے ہماری ٹیچر کہتی ہیں کہ بارش کے دوران جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔"

"اچھا پھر تم نے کیا دعا مانگی۔" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

"میں نے..... وہ آج پاکستان انڈیا میچ ہو رہا ہے نا تو میں نے دعا مانگی کہ پاکستان انڈیا سے جیت جائے۔ ڈے اینڈ نائٹ میچ ہو گا نا آج۔ اس پر میری اور کرامت بابا کی شرط لگی ہے۔"

"کتنے کی شرط ہے۔" اس کے پوچھنے پر وہ فوراً بولی۔

"دس روپے کی اگر میں جیتی تو کرامت بابا سے دس روپے لوں گی اگر کرامت بابا جیت گئے تو میں انہیں ہزار روپے دوں گی۔"

"یہ کیسی شرط ہے۔" وہ متعجب سا بولا۔

"دیکھیے میں تو غریب نہیں ہوں نا۔ کرامت بابا غریب ہیں۔ میں جتنے دے سکتی ہوں اتنے ہی کی شرط لگاؤں گی اور کرامت بابا جتنے دے سکتے ہیں۔ وہ اتنے ہی کی شرط لگائیں گے۔ اب اگر کرامت بابا غریب ہیں تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ ان کا دل شرط لگانے کے لیے نہیں چاہ رہا ہو گا۔"

"مجھے کنگال کرنے میں ہی تمہیں مزا آتا ہے۔" پھر چند ساعت بعد کہنے لگا۔

"تم بہت خوب صورت ہو۔" وہ دونوں ہاتھ فرش پر رکھے نیم دراز تھا۔

"یہ تو تم کئی بار کہہ چکے ہو۔" اس نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر کچھ لمحے بعد کچھ سوچ کر خفت بھرے لہجے میں بولی۔

"مجھے پتہ ہے تم میرا مذاق اڑا رہے ہو میرا میک اپ پانی کے ساتھ بہہ کر میری شکل بھیانک بنا گیا ہو گا۔"

"میری مجال جو مذاق اڑاؤں۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ موبائل کی بیپ بجتے ہی اس نے جیب سے موبائل نکالا۔ شوکت کی کال تھی وہ بات کرنے لگا۔

"ہاں چلا آیا جلدی میں نکلا تو بتا نہیں سکا۔"

digest novels lovers group

دوسری طرف کی بات سن کر دھیمی مسکان لبوں پر سجائے بولا۔
"ایسی بات نہیں۔" وہ مسلسل مسکرا رہا تھا دوسری جانب طویل بات ہو رہی تھی۔
"فی الحال تو میں ہوں ٹھیک ہے۔" موبائل آف کر کے بھی وہ ہنوز مسکرائے جا رہا تھا۔
"کس کی کال تھی۔" اس نے پوچھا تو وہ بولا۔
"شوکت کی۔" کچھ پل بعد وہ دونوں پھر سے باتوں میں مشغول ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ اس کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی جبکہ وہ اسے روتا دیکھ رہا تھا۔ آخر تنگ آ کر بولا۔
"مرا تو نہیں نا میں دیکھو زندہ سلامت ہوں۔" ساتھ ہی وہ شرٹ جھٹکتے ہوئے اسے یقین دلانے لگا۔
"اگر کچھ ہو جاتا تو۔" وہ اس کی سوجی سوجی آنکھیں دیکھ کر نرم پڑ گیا۔
"کچھ ہوا تو نہیں نا۔" وہ بیڈ سے پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ جبکہ وہ پنجوں کے بل اس کی قدموں میں بیٹھا اسے اپنے زندہ ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔
"مجھے کچھ نہیں ہوا فائرنگ گاڑی پر ہوئی ہے۔ مجھے خراش تک نہیں آئی۔ یہ دیکھو میرے ہاتھ، چہرے پر کوئی خراش دکھائی دے رہی ہے تمہیں یہ فائرنگ کسی نے صرف ڈرانے کے لیے کروائی ہے۔ اگر وہ چاہتا تو مجھے مار بھی سکتا تھا۔ صفا کیا بدتمیزی ہے۔ کہہ رہا ہوں نا کہ کچھ نہیں ہوا۔" وہ اسے مسلسل روتے دیکھ کر جھنجھلایا۔
"گولی تمہیں لگ بھی سکتی تھی۔"
"لگی تو نہیں نا۔" وہ اٹھ کر اس کے پاس بیٹھا۔
"پلیز اب رونا بند کر دو ورنہ میں جا رہا ہوں۔"
"اب تم کہیں نہیں جاؤ گے اب تم گھر پر رہو گے۔" اس نے اسے کندھے سے پکڑتے ہوئے کہا تھا۔
"اوکے کہیں نہیں جا رہا اب تم رونا بند کرو۔" وہ اس کے آنسو اپنے ہاتھ سے صاف کرنے لگا۔

"تم یہ سب چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔" وہ ملتجی انداز میں بولی تھی۔
"تم سے کہہ رہی ہوں میں۔" وہ خاموش رہا۔ کچھ پل بعد بولا۔
"یہ مجبوری ہے۔" وہ بیڈ سے پاؤں لٹکائے لیٹ گیا وہ اس کے بالوں میں دھیرے دھیرے انگلیاں چلانے لگی وہ آنکھیں بند کر کے یونہی لیٹا رہا تھا۔
"بس تم چھوڑ دو یہ سب میں کسی بھی ہولناک صورتحال کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ کہو نا تم چھوڑ دو گے۔" اس کی انگلیاں برابر اس کے بالوں میں چل رہی تھیں۔
"نہیں چھوڑ سکتا۔ اب میں اتنی دور نکل آیا ہوں کہ واپسی ہو ہی نہیں سکتی۔ اب واپسی کے لیے کوئی راستہ نہیں رباب صرف موت ہی ہے۔" وہ سرد سی آواز میں بولا۔ اس پل اس کی آواز اس کا لہجہ اسے ہر قسم کے جذبات سے عاری لگا تھا۔
"ایسا کیوں کہہ رہے ہو تم واپسی کیوں نہیں ہو سکتی۔ اگر تم یہ سب چھوڑ دو تو سب ٹھیک ہو سکتا ہے۔" وہ بضد تھی اپنی بات منوانے پہ۔
"نہیں ہو سکتا۔" وہ دوٹوک انداز میں بولا۔
"ہو سکتا ہے اگر تم چاہو۔" اسے اپنی بات پر اڑے دیکھ کر وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا۔ اس پل اس کی آنکھوں میں سختی اور برہمی در آئی تھی۔ پھر چند لمحوں بعد وہ پھر سے آنکھیں بند کر گیا۔
وہ اس کے انداز پر گھبرا تو گئی تھی لیکن اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ فائرنگ کے اس واقعے نے اس کے اوسان خطا کر دیے تھے وہ اسے ہر حال میں یہ سب ترک کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیوں نہیں ہو سکتا اگر ہم یہاں سے چلے جائیں تو سب ٹھیک ہو سکتا ہے۔" اس کی بات ختم ہوتے ہی اس نے اپنے بالوں میں چلتے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے دور جھٹکا۔ پھر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے مجھے یہ سب کرنا اچھا لگتا ہے۔"

مزا آرہا ہے اس میں کرکٹ کھیل رہا ہوں یا ہاکی گیم ہے یہ مجھے اچھا لگتا ہے کہ ہر روز کوئی میری گاڑی پر فائر کرے میں لوہے کا بنا ہوں کہ کوئی گولی مجھے نہیں چھوئے گی۔ میں نہیں مروں گا۔ مجھے اچھا لگتا ہے کہ گارڈز کی فوج اپنے ساتھ لیے پھروں۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ اگر میں یہ سب کچھ چھوڑ کر تمہارے لیے سبزی منڈی سے سبزی آلو لینے جاؤں تو یہ سب جو میرے پیچھے پڑے ہیں یہ کہہ کر مجھے جانے دیں گے کہ بیوی کے لیے سبزی لے کر جا رہا ہے۔ وہ مجھے کتے کی موت ماریں گے۔" وہ آخری بات پر زور دیتا بولا۔

"کہنے میں آسان ہے لیکن کرنے میں بہت مشکل۔ گھر میں بیٹھ کر مشورے دینا آسان ہے باہر مجھے کیا کچھ سہنا پڑے گا یہ تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ میرا سب کچھ تباہ کر دیا انہوں نے زمین کے ایک ٹکڑے کے لیے میرے ماں باپ اور چھوٹے بھائی کو انہوں نے اتنی بے دردی سے مار دیا۔ صرف اس لیے کہ مقدمے میں کامیابی کی صورت زمین کا وہ ٹکڑا ملا نہیں یہ اتنی بڑی بات تھی۔ تمہیں پتا تھا میں تمہیں بتا چکا تھا کہ میری زندگی میں مشکلات ہی مشکلات ہیں تم میرے ساتھ نہیں چل سکو گی لیکن یہ تمہاری ضد تھی۔ تمہیں پتہ تھا کہ میں یہ سب نہیں چھوڑ سکتا میں نے بدلہ لیا ہے اپنے ماں باپ کے قاتلوں کا' اب اس کے بیٹے مجھے مارنے کے لیے کتوں کی طرح ادھر ادھر پھر رہے ہیں جب پتہ تھا تمہیں تو کیوں نہیں تم نے میری بات مانی۔ اب بھگتو یا پھر مجھے چھوڑ دو۔" شدت جذبات سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ اس کی آخری بات اسے حقیقی معنوں میں بہت ہرٹ کر گئی تھی اس لیے اس کی بات پہ اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔

"میں نے تو یہ نہیں کہا کہ میں تمہیں چھوڑ کر جا رہی ہوں۔" وہ وضاحت دینے لگی۔

"میں تو یہ کہہ رہی......"

"تم جو بھی کہہ رہی ہو یہ بات صاف سن لو۔ میں یہ سب نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

"تم کوشش کرو تو۔" وہ اس کی ادھوری بات پر کھول اٹھا تھا۔ غصے کی کیفیت میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ چلایا۔

"کیا چاہتی ہو تم کہ میں..... ٹھیک ہے میں یہ سب چھوڑ دیتا ہوں کل کو وہ تمہیں اٹھا کر لے جائیں تو کیا کروں میں۔ کہوں کہ بھائی میں یہ کام ترک کر چکا ہوں۔ مال غنیمت ہے لوٹو۔ کل کو اگر میرے سامنے میرے بچوں کو مارا جائے تو کہوں کہ مارو' مارو میں اف تک نہیں کروں گا۔ خوابوں سے باہر نکلو۔ حقیقت کی دنیا میں آؤ۔ زویزان اگر ذرا بھی کمزور ہوا نا تو وہ چیلوں کی طرح جھپٹ پڑیں گے اس پر۔"

"میری خاطر بھی نہیں چھوڑ سکتے۔" وہ مان بھرے لہجے میں بولی۔

"نہیں۔" وہ غضبناک ہوا۔ وہ یکدم اٹھ کر جوتی پہننے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو۔" وہ اسے یوں اٹھتے دیکھ کر بولا۔ وہ خاموش رہی۔

"تم سے کہہ رہا ہوں میں۔" وہ چلایا۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اٹھا اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے اپنے سامنے کھڑا کر کے شعلہ بار نگاہوں سے تکتا بولا۔

"کیا مطلب ہے اس طرح جانے کا۔"

"میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی اگر ہو گی تو اسی صورت کہ تم یہ سب چھوڑ دو بس۔" وہ اس کے چٹانی لہجہ پر کھول اٹھا۔

"ٹھیک ہے یہ شوق بھی پورا کر لو تم۔ دو دن بھی میرے بنا رہ پائیں نا تم تو مان جاؤں گا تمہیں۔" اسے بیڈ کی جانب دھکیلتے ہوئے وہ شدید غصے کے عالم میں نکلا تھا۔ بیڈ کے کنارے سے گھٹنا لگ کر زخمی ہو گیا تھا۔ درد کی ٹیس سی اٹھی اس درد کے بجائے وہ اپنا مان ٹوٹ جانے پر زار و قطار رو رہی تھی۔

وہ جب سے وہاں سے آیا تھا غصہ اور جھنجلاہٹ عروج پر تھی۔ ہر بات پر غصہ کرنے لگا تھا۔ کچھ دنوں بعد قدرے ریلیکس ہو گیا تھا اسے اس بات کا یقین تھا کہ کچھ دنوں میں ہی وہ اسے فون کر کے گھر آنے کی

digest novels lovers group

التجائیں کرنے لگے گی۔ تقریباً" دس دن ہو گئے تھے ان کی ناراضی کو۔ پھر دن پر دن گزرنے لگے۔ اس نے ایک بار بھی فون نہیں کیا تھا۔ اس کے لہجے میں ایک بار پھر چڑچڑاپن آگیا تھا۔ وہ اسے کسی صورت فون نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"کیا ہے آج کل تم بڑے ٹینس دکھائی دے رہے ہو۔" شوکت اس کے پاس بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"کچھ نہیں بس ویسے ہی۔" اس نے ٹالا۔

"کتنے دن رہ پاؤ گی میرے بنا۔" وہ تنفر سے سوچتا خیالوں میں ہی اس سے مخاطب تھا۔

آج کل اس کی خشک مزاجی اور بگڑے تیوروں سے ہر ملازم ڈرا ہوا تھا۔ ایک شوکت ہی تھا جس سے وہ نارمل بات کر لیتا تھا ورنہ ہر کسی پر برستا رہتا تھا۔ شوکت اس کے مزاج میں پیدا شدہ تبدیلی نوٹ کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے کچھ زیادہ ہی چپ چپ ہو۔" ایک دن وہ کہے بنا نہ رہ پایا۔ پھر وہ اسے پوری بات بتا گیا۔

"وہ مجھے سب چھوڑنے کو کہہ رہی ہے۔"

"تم اسے محبت سے سمجھاؤ۔ غصے سے بات الجھ جاتی ہے۔" شوکت اسے سمجھاتے ہوئے اور بھی بہت کچھ کہنے لگا تھا۔

"تم اسے مناؤ۔ اتنی بڑی بات نہیں جسے تم مسئلہ بنا رہے ہو بلاوجہ سب کی شامت آئی ہوئی ہے۔" شوکت کی بات پر وہ ہلکا سا مسکرا دیا تھا۔ پھر اس رات اس نے اسے فون کیا لیکن صفا نے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا یہ کہہ کر کہ ابھی اس کا دماغ ٹھکانے نہیں۔ ایک دو دن بعد پھر اس نے فون کیا لیکن اس نے فون بند کر دیا۔ وہ اس قدر ڈھٹائی سے اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی کہ اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ رات سگریٹ سلگا کر وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اندر گھٹن سی تھی اس لیے پردے کھینچ کر اس نے کھڑکیاں کھول دیں۔ ٹھنڈی ہوا کے نرم نرم جھونکے اندر آئے تھے ۔ وہ وہیں کھڑا سگریٹ کا دھواں اڑاتا رہا۔

"یہ کیوں پیتے ہو۔ تمہیں پتہ ہے کہ مجھے سگریٹ بالکل نہیں پسند پھر بھی تم میرے سامنے پیتے ہو۔" اس دن اسے سگریٹ پیتے دیکھ کر اس نے ناراض ہوتے ہوئے کہا تھا۔

"تم باہر چلی جاؤ کچھ دیر کے لیے، جب میں پی لوں تو پھر آنا۔" وہ سگریٹ کا کش لیتا ہوا بولا تھا۔ یکدم سے وہ خیالوں سے چونک اٹھا۔ اندر گھٹن بڑھتی جا رہی تھی گہری سوچوں میں غرق وہ بہت الجھا ہوا لگ رہا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے فون اٹھا کر اس کا نمبر ملایا۔ فون اس نے ریسیو کیا۔

"میں بات کر رہا ہوں فون بند مت کرنا۔" لیکن اس کی پوری بات سنے بغیر وہ فون بند کر چکی تھی۔ وہ پاگل ہونے لگا تھا۔ اس پر اس لمحے جنون سا سوار ہو گیا۔ وہ بڑی سرعت سے کمرے سے نکلا۔ لاؤنج میں اسے شوکت ملا لیکن اس سے بنا بات کیے وہ برق رفتاری سے باہر گاڑی تک آیا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو۔" شوکت اس کے انداز پر گھبرایا تشویشناک انداز میں پوچھتا اس کے پیچھے پیچھے بھاگتا آیا تھا۔ اس نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور نہایت تیز انداز میں گاڑی اسٹارٹ کر کے گھر سے نکلتا چلا گیا۔ معاملے کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہی شوکت دوسری گاڑی میں بیٹھ کر ریحان کو کچھ ہدایات دینے کے بعد نکلا۔

وہ بڑے انہماک سے ٹی وی دیکھ رہی تھی جب وہ اندر آیا۔ وہ اسے دیکھ کر اٹھی نہیں بیٹھی ہی رہی۔ پر اس نے اس کی آنکھوں میں غصے کے آثار دیکھ لیے تھے۔ اس کے ہاتھ سے ریموٹ چھین کر اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کر کے اس نے ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا۔ تھپڑ اس قدر زور کا تھا کہ اس کے منہ سے خون نکل گیا وہ ایک مہینہ دس دن کا جمع شدہ سارا غبار اس پر نکالنے لگا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی کہ اس دوران شوکت بھاگتا ہوا آیا اندر آ کر جو حالت اس نے دیکھی تو وہ چکرا کر رہ گیا۔ شوکت آگے بڑھ کر اسے کھینچ کر ہٹانے لگا۔

"تم بیچ میں مت آؤ۔" وہ شوکت پر بھی چلایا تھا۔

"انسان بن۔" اس نے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے قدرے چلا کر کہا۔

"تم ہٹو میں اسے بتاتا ہوں کہ ضد کس طرح کی جاتی اور پھر اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔" وہ بار بار شوکت کے ہاتھ جھٹک رہا تھا۔

"ہٹو ورنہ اب میں تمہارے منہ پر ایک تھپڑ ماروں گا۔" شوکت نے اب کی بار اسے بڑے زور سے دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔

"اب اگر تم نے ہاتھ اٹھایا نا تو میں تم پر ہاتھ اٹھاؤں گا۔" وہ رو رہی تھی شوکت نے اسے صوفے پر بٹھایا۔

"پانی لاؤ۔" شوکت تیز آواز میں زویزان سے بولا۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ اب بھی اسے شعلہ بار نگاہوں سے تکے جا رہا تھا۔ شوکت خود اٹھا۔

"اب اگر تم نے ایک لفظ بھی کہا تو اچھا نہیں ہوگا۔" پھر تیز آواز میں اس پر چلاتا ہوا بولا۔

"مت دیکھو اس کی طرف۔" اسے دھمکاتا وہ کچن سے اس کے لیے پانی لے آیا۔ زویزان ہنوز وہیں کھڑا تھا۔ اسے پانی پلا کر اس نے ایک سرد سی نگاہ زویزان پر ڈالی پھر صفا سے پوچھا۔

"ایسی کیا بات ہوئی جو یوں مرنے مارنے پر تل گیا یہ۔" وہ ہنوز روئے جا رہی تھی۔

"کہو مجھ سے وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تمہیں۔ میں ہوں نا۔"

"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے تو بات بھی نہیں کی۔" اس نے روتے ہوئے صفائی پیش کی۔

"تو یہ کیوں اتنا مشتعل سا چلا آیا۔"

"مجھے نہیں معلوم میں نے تو ایک لفظ تک نہیں کہا۔" ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ وہ غصے سے پھر اس کی جانب لپکا شوکت پھرتی سے اٹھ کر اس کی کمر کے گرد دونوں ہاتھ باندھ کر اسے مکمل طور پر روک چکا تھا۔

"پاگل ہو گئے ہو۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔"

"منہ توڑ دوں گا تمہارا اگر پھر کبھی ضد کی تو۔ یہ ساری اکڑ خود سری نکال دوں گا میں تمہاری۔" شوکت کی بات نظر انداز کر کے وہ اسی سے قہرناک لہجہ میں مخاطب تھا۔

"بیٹھو تحمل سے بات کرتے ہیں۔" شوکت نے اسے بٹھانا چاہا لیکن وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ شوکت صفا کے پاس بیٹھ کر اسے نصیحتیں کرنے لگا۔

"چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھر ٹوٹتے ہیں دلوں میں کدورت پیدا ہونے کے سبب ساری زندگی کے پچھتاوے انسان کا مقدر بن جاتے ہیں۔" وہ اسے رسان سے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ زویزان چلا آیا۔

"شوکت تمہارے گھر سے فون ہے تمہیں گھر بلایا ہے۔" اس کی پریشان صورت دیکھ کر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"کوئی سیریس بات نہیں کچھ مہمان وغیرہ آئے ہیں۔" وہ اٹھا۔

"میں جا رہا ہوں اپنا خیال رکھنا۔" اس نے صفا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر صوفے کی بیک کے ساتھ کھڑے زویزان کو دیکھ کر کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ وہ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

"سب ٹھیک ہے میں کچھ نہیں کہہ رہا۔" شوکت نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ آہستگی سے قدم اٹھاتا اس صوفے کی طرف بڑھا جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے اپنے پاس بیٹھتا دیکھ کر وہ سرک گئی وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ صوفے کی پشت پر سر رکھ کر آنکھیں موند کر وہ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے کچھ پل سوچتا رہا تھا پھر دونوں ہاتھ ہٹا کر آنکھیں کھولتے ہوئے اس کی سرخ سرخ آنکھوں کو دیکھنے لگا۔

"یہ ایک مہینہ دس دن کی دوری کی سزا کم تھی جو تم مجھے اور سزا دے رہی ہو، اس طرح دور رہ کر۔" وہ اس کے قریب ہو گیا۔

"مت کرو ایسا میں پاگل ہو جاؤں گا۔" وہ اسے

digest novels lovers group

منانے کے ہر جتن کرنے لگا تھا۔ اگر وہ ریشم کی طرح نرم تھی تو چٹان کی طرح سخت بھی تھی۔ زویزان مان گیا تھا۔ اسے دو دن کی دوری نہ سہنے کا طعنہ دینے والا خود ایک مہینہ دس دن میں ہی پاگل پن اور جنون کی آخری حد پر پہنچ گیا تھا بعض اوقات تکبر سے کہی بات خود انسان کے لیے آزمائش بن کر رہ جاتی ہے۔

اشتعال میں جو کچھ وہ کر چکا تھا اس پر وہ پہلے سے اور زیادہ اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ اگرچہ وہ اس کے پاس آتا تھا لیکن صفا کا رویہ سپاٹ ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

شوکت اور وہ مہمانوں کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اس کے موبائل کی بیپ بجی۔ شوکت ان کے ساتھ ہم کلام تھا لہٰذا اس نے یس کا بٹن دبا کر دوسری طرف کی آواز سنی۔

"میں بات کر رہی ہوں۔" دوسری طرف صفا تھی اس کی آواز سن کر وہ یکدم اٹھا۔

"سن رہے ہو تم۔"

"ایک منٹ۔" وہ ایک نظر ان پر ڈال کر گیسٹ روم سے باہر نکلا۔

"ہاں کہو کیا بات ہے۔" جب سے وہ ناراض تھی اس نے کال نہیں کی تھی یہ اس کی پہلی کال تھی۔ اس لیے وہ بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

"اگلے دس منٹ میں تم آرہے ہو۔" قطعیت سے کہتی ہوہ کال ڈس کنیکٹ کر چکی تھی۔ وہ بعجلت کمرے میں گیا تھا کپڑے چینج کر کے بالوں میں تیزی سے برش کر کے اس نے پرفیوم خود پر چھڑکا۔ ملازمہ کو "شوکت سے کہنا کہ انہیں لنچ کرائے اور میرا بتائے کہ ضروری کام سے جانا پڑا ہے۔" کہہ کر۔ اگلے پندرہ منٹ میں وہ وہاں تھا۔ اسے دیکھ کر وہ بولی۔

"آؤ میرے ساتھ۔" وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

"بیٹھو۔" اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ خود بھی بیٹھ گئی۔

"یہ سب میں نے خود بنایا ہے۔ اگر نخرہ دکھایا کہ برا بنا ہے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ ہر حال میں کھانا پڑے گا۔" وہ اس کی پلیٹ میں چکن رائس ڈالنے لگی تھی۔ پھر اس نے اسے اپنے ہاتھ کی ہر چیز کھلائی تھی۔ کھانا کھا کر وہ کمرے میں آیا جبکہ وہ اس کے لیے چائے بنانے کچن میں چلی گئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ چائے لے کر آئی تو وہ اسے بیڈ پر لیٹا نظر آیا اس نے اس کے قریب بیٹھ کر چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔ زویزان کا موڈ بہت خوشگوار تھا اس کے کھلتے موڈ کو دیکھ کر وہ بولی۔

"بابا کی بیٹی کی شادی ہے مجھے بابا کو کچھ رقم دینی ہے مجھے تھوڑی سی رقم دے دو گے۔" اس کے التجائیہ انداز کو دیکھ کر وہ بولا۔

"اس لیے بلایا تھا۔" وہ اس کے گھٹنے پر اپنا بازو رکھ کر بالوں میں وہی ہاتھ چلاتا بڑی دلکش اور سحر انگیز آواز میں بولا تھا۔

"نہیں تو میں نے تو تمہیں پہلے ہی سے بلانے کا سوچا تھا۔" اس کی آنکھوں میں بے یقینی کے سائے دیکھ کر وہ گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو صفورا خالہ سے پوچھو ۔ میں نے پہلے ہی سے تمہارے لیے کھانا بنایا تھا۔ وہ تو تمہارے آنے سے پہلے بابا نے مجھے اپنی بیٹی کی شادی کے بارے میں بتایا تو میں نے سوچا کہ میں تم سے کہوں ۔ یقین کرو میں جھوٹ نہیں بول رہی۔" پھر اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ دیکھ کر خفگی سے بولی۔

"ایسا کیوں نہیں کہتے کہ تمہارا دل نہیں چاہ رہا تم کنجوس ہو۔"

"کتنے چاہئیں۔" وہ اپنی نظریں اس کے چہرے پر گاڑتے ہوئے تھا۔

"زیادہ لوں گی۔"

"پر میں تو کم دوں گا۔"

"تم خود رکھو ہمیں نہیں چاہئیں۔"

"ارے تم اور کرامت بابا "ہمیں" ہو گئے۔" اس کی بات پر وہ غصے سے بولی۔

"شرم تو آتی نہیں کرامت بابا کو بتاؤں گی۔" اس

کی دھمکی پر بے ساختہ اس کا قہقہہ گونجا تھا۔ کتنی دیر تک وہ یونہی دونوں ہاتھوں کے سہارے نیم دراز مسکراتا رہا تھا۔ وہ ناراضی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ دلکش انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھیمے انداز میں بولا۔

"اگر تم کہو تو کرامت بابا پر اپنی جان نچھاور کر دوں۔"

وہ اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے دور کرتے ہوئے بولی۔

"جان دے سکتے ہو پر روپے نہیں۔ پتہ ہے نا کہ کرامت بابا خالی خولی جان لے کر کیا کریں گے۔"

جانے وہ اور کیا کچھ کہتی کہ اس کی باتوں کو بریک اس وقت لگا جب زویزان نے اس کے کندھے پر بازو رکھ کر اسے خود سے قریب کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"راضی نامہ ہو گیا۔" وہ دونوں لان میں بیٹھے تھے۔ جب شوکت نے اس سے پوچھا تھا۔

"کس کا۔" وہ متعجب ہو کر پوچھ بیٹھا تھا۔

"تمہارا اور صفا کا۔" وہ ہنس رہا تھا۔ زویزان بھی مسکرایا۔

"ہاں۔" اس نے مختصراً کہا۔

"خیال رکھا کرو اس کا۔" شوکت کی بات پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"نگین سے بات ہوئی۔" شوکت نے ایک بار پھر سے اس کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

"ہاں۔" دونوں ٹانگیں ٹیبل پر پھیلا کر وہ بولا۔

"ایک ہفتہ بعد وہ آ رہی ہے پاکستان۔"

"اس نے شادی کی ہے یا نہیں۔" شوکت کی بات کے جواب میں اس نے کہا۔

"نہیں۔" شوکت اس کی آنکھوں میں در آئی بے چینی کو نوٹ کرتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟"

"پچھلے آٹھ نو سال سے وہ کیوں نہیں کر رہی تھی۔" اس نے شوکت کے سوال پر سوال کیا تھا۔ اس کی بات پر شوکت لاجواب ہو گیا کیونکہ اسے اس کا جواب اچھی طرح معلوم تھا۔ وہ لڑکی پچھلے آٹھ نو سال سے زویزان کے انتظار میں کہیں بھی شادی پر خود کو تیار نہ کر سکی تھی۔ وہ اس کا انتظار کرتی رہی تھی۔

"تم سمجھاؤ نا اسے اب تو اسے شادی کر لینی چاہیے۔" شوکت کی بات کے جواب میں بولا۔

"ہوں۔"

نگین آ گئی تھی۔ وہ ذرا بھی نہیں بدلی تھی پہلے جیسی ہی تھی لنچ کے بعد وہ بیٹھے کافی پی رہے تھے جب وہ بولی تھی۔

"تمہاری بیگم صاحبہ کا کیا حال ہے۔" اس نے بظاہر خوشدلی سے پوچھے گئے اس سوال کے پیچھے اس کا درد محسوس کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ اس سے خود کو ملامت کرنے لگا تھا اس نے اس لڑکی کو اتنی طویل انتظار کے بعد دیا بھی تو کیا، فراق دکھ یادیں بس۔

"تم خوش ہو۔" اب کی بار اس کے لہجے میں سنجیدگی در آئی تھی۔ اسے چند پل دیکھتے رہنے کے بعد زویزان نے اپنی نظروں کا زاویہ بدل کر کہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے۔"

"مجھے تو لگتا ہے کہ تم بہت خوش ہو۔" اب کی بار وہ کچھ پھیکی ہنسی ہنستی ہوئی بولی تھی۔

"ایسا ہی ہے نا۔" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا وہ نظریں چراتا بولا۔

"کوئی اور بات کرو۔" وہ اسے کوئی جواب نہ دے پایا تھا۔ بعض اوقات کسی عزیز از جان ہستی کے لیے سچ بولنا بہت مشکل لگتا ہے اس وقت وہ اسی مشکل مرحلے سے گزر رہا تھا۔ وہ اسے یہ نہیں بتا پایا تھا کہ وہ بہت خوش ہے۔ وہ گلٹی فیل کر رہا تھا یہ سوچ کر کہ وہ تو خود زندگی خوشی خوشی بتانے لگا تھا لیکن اسے محبت کے صحرا میں بھٹکتا چھوڑ دیا تھا۔ اسی احساس کے تحت تو وہ کچھ بول ہی نہ پایا تھا کہ وہ خوش ہے۔ وہ اس لڑکی کے سامنے شدید ندامت محسوس کر رہا تھا۔

"تم شادی کیوں نہیں کر رہیں۔" آخر کار اس نے

digest novels lovers group

وہ جملہ بول ہی دیا جو اسے بولنے میں بڑا مشکل لگ رہا تھا۔ وہ خاموش ہی رہی۔ اس نے پھر سے اپنا سوال دہرا لیا۔ اس نے جواب دینے میں تامل کرتے ہوئے کہا۔

"ضروری تو نہیں کہ شادی کی جائے۔"

"ضروری ہے۔ زندگی تنہا نہیں گزر سکتی اب تم ضروری خیال نہیں کر رہیں پر آج سے دس پندرہ سال بعد جب تم اس تنہائی سے اکتانے لگو گی تو بہت دیر ہو چکی ہو گی۔ ایک محبت کرنے والے شوہر کا ساتھ ہو تو تمہیں زندگی سہل لگنے لگے گی۔" وہ اسے کنوینس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ محبت کرنے والا شوہر زویزان تو نہیں ہو گا نا۔" اس نے نہایت دلگیر انداز میں کہا تھا اس کی بات پر وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ ہوٹل کی گہما گہمی میں اسے ایک جامد سناٹے محسوس ہو رہے تھے زویزان نے پھر کوئی بات نہیں کی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت خوش تھا سب اس کی خوشی کی وجہ جاننے کے خواہشمند تھے اور کچھ عرصہ بعد ہی اصل وجہ سب کو معلوم ہو گئی تھی۔ وہ باپ بننے والا تھا۔ سب کو اس مبارک دن کا انتظار تھا انتظار جو طویل اور اکتا دینے والا ہوتا ہے۔ انتظار بہت جاں گسل ہوتا ہے۔ انتظار جو بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ انتظار جو بہت خوشی دینے والا ہوتا ہے۔ انتظار جو عذاب میں مبتلا کیے تکلیف کا سبب بنتا ہے۔ لیکن انتظار بہت اچھا بھی ہوتا ہے۔ انتظار سے وہ لمحات کچھ رک سے جاتے ہیں جو ہمارے لیے جانے کیا کچھ اپنے دامن میں لیے چلے آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے زندگی ہو سکتا ہے موت۔ ہو سکتا ہے خوشی ہو سکتا ہے غم۔ وہ انتظار کر رہے تھے۔ وہ بھی انتظار کر رہا تھا۔ انتظار کی صلیب پر چڑھا انسان اس وقت اپنی تقدیر کے لکھے کو بالکل جان نہیں پاتا۔ جب جان پاتا ہے تو پھر وہ دیکھنے رک نہیں پاتا۔

☼ ☼ ☼

اس کی چودہ پندرہ برس کی محبت کے مقابلے میں اس بے وقوف کم سن لڑکی کی ضد جیت گئی تھی۔ اس بات نے اسے دلبرداشتہ کر دیا تھا۔ اس شخص کے اس کی زندگی سے نکلنے پر جیسے جسم سے زندگی نکل گئی تھی۔ ماں باپ اسے شادی پر رضامند کرنے کے لیے ہر تدبیر آزما چکے تھے لیکن رزلٹ صفر تھا۔ اسی مقصد کی خاطر آج اس کی ماں نے اس سے ایک بار پھر بات کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ وہ اس کے کمرے میں آئیں کمرے کی کھڑکیاں کھولے وہ کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ کمرے میں ہلکا ہلکا میوزک بھی بج رہا تھا جسے نفیسہ آف کر چکی تھیں۔ کمرے میں ہونے والی خاموشی سے وہ چونک اٹھی۔ پھر ماں پر نظر پڑتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کوئی کام ہے مجھ سے۔"

"ہاں۔" وہ بلا تامل بولیں۔

"میں تم سے ایک دوست کی طرح بات کرنے اور تمہیں سمجھانے آئی ہوں۔ میں اس پل تمہاری ماں نہیں بلکہ ایک خیر خواہ ہوں۔ ایک ایسی خیر خواہ جس سے تم مشورہ مانگ رہی ہو کہ تم اپنی زندگی کے بارے میں کیا فیصلہ کرو یا کرنا چاہیے۔ میں ایک پر خلوص دوست کی حیثیت سے بالکل غیر جانبداری سے تم پر واضح کر کے تم کو سوچنے اور کوئی اچھا فیصلہ کرنے پر آمادہ کرنا چاہتی ہوں یہ تمہاری خوش قسمتی اور میری بد قسمتی ہو گی اگر میں تمہیں آمادہ نہ کر پاؤں تو۔" اس کی خاموش نگاہوں میں امڈتے سوالوں کو پڑھتے وہ پھر سے بولیں۔

"اگر تم سمجھتی ہو کہ زندگی یونہی بسر ہو جائے گی تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ کیونکہ ایسا تم اس وقت سوچ رہی ہو اس وقت تمہارے پاس تمہارا باپ تمہاری ماں اور رشتہ داروں کا ساتھ ہے۔ جس دن ان رشتوں میں سے تمہارے پاس کوئی بھی نہ ہو گا تو تب تمہیں اپنی حماقت کا احساس ہو گا۔ احساس اس وقت ہوتا ہے جب کوئی پاس نہ ہو۔ اس وقت تمہیں کسی بھی قیمت پر اس وقت کی تنہائی کا احساس نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ

ہم موجود ہیں۔ تصور کرو اس گھر میں تم اکیلی ہو۔ تب کہو گزر سکے گی زندگی۔ تنہائی کے اس پتھروں والے پنجرے میں پچاس برس، ستر برس کتنے برس اس ویران خاموشی سے گھر میں تم گزار پاؤ گی۔ تب میں تم سے کہوں گی کہ تم مینٹل پیشنٹ کے سوا کچھ بھی نہیں ہو گی۔ ابنارمل کر دے گی یہ تنہائی تمہیں۔

جس کے لیے تم نے یہ روگ لیا ہے وہ اپنی زندگی عیش سے جی رہا ہے۔ شادی کے بعد وہ خوش و خرم ہے ۔ تم کون تھیں کیا ہوا اسے کچھ خبر نہیں۔ تم اس قدر بے وقوف کہ اس کے لیے عمر بھر کا جوگ لیے بیٹھ گئیں۔ اگر وہ تم سے اس قدر محبت کرتا تھا تو شادی کیوں نہیں کی۔ سچ تو یہ ہے کہ اس لڑکی سے ہی اسے محبت تھی۔ اگر تم سے ہوتی تو اپنا لیتا تمہیں، دیکھو اسے کس قدر اطمینان بھری زندگی گزار رہا ہے اور تم اس دوغلے کے لیے ساری زندگی داؤ پر لگانے چلی ہو۔" وہ اس کے جھکے سر پر ہاتھ رکھ کر بڑے مغموم لہجے میں بولیں۔

"کبھی کبھی تو میرے دل سے اس کے لیے آہ نکل جاتی ہے کیسے جیتے جی میری بیٹی کو زندہ در گور کر دیا ہے۔"

وہ رونے لگی تھیں۔ اس نے اپنے سر پر رکھے ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسے ہولے سے دبایا پھر ان کے آنسو صاف کرتی بولی۔

"میں شادی کے لیے تیار ہوں۔ آپ جہاں چاہیں میری بات طے کر دیجیے۔" اس پل نگین کو بھی لگا تھا کہ ماں صحیح کہہ رہی ہے، وہ خود عیش بھری زندگی گزار رہا تھا تو اس کا کیا قصور تھا کہ وہ یوں روتی چلاتی غم کی المناک تصویر بنی زندگی کو روند ڈالے۔ ایک ایسے انسان کے لیے جس کی نگاہ میں اس کی حیثیت یہ تھی کہ وہ اس کے ساتھ ہنس بول لے اور اسے باتوں پر ٹرخا دے "شادی کر کے ہنسی خوشی رہنے لگے۔" کی عملی تصویر بن کر اور وہ خود کو لیلیٰ بنائے صرف اس دوغلے انسان کے لیے اپنی زندگی یوں جلا جلا کر خاک کر ڈالے۔ کیا ملے گا اسے تنہائی پاگل پن کے چند دورے اور پھر ایک مینٹل ہسپتال، اس لیے اس نے شادی کی ہامی بھر لی تھی۔ اس کی امی اسے تعجب خیز نگاہوں سے دیکھتے رہنے کے بعد خوشی سے بے حال ہوتے ہوئے اسے گلے لگا چکی ہیں۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ میں کبھی اتنی بڑی خوشی بھی دیکھ لوں گی۔ تم نے تو مجھے آج بے پناہ خوش کر دیا ہے۔" ماں کی پیٹھ تھپکتے اس پل اس کی آنکھیں جلنے سی لگی تھیں۔ یہ جلن کچھ دن کی ہو وہ بار بار یہ دعا کرنے لگی تھی۔

digest novels lovers group ❤️❤️

شادی کے کارڈ پر نظریں جمائے وہ بڑے غور سے اس پر بشارت احمد کا نام پڑھ رہا تھا۔ وہ ایک بڑے صنعت کار کا بیٹا تھا۔ ہائی کوالیفائیڈ ایک نہایت اچھی شخصیت کا مالک وہ اس سے کئی بار مل چکا تھا۔ وہ بھی زویزان کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کی شادی کا سن کر وہ قدرے مطمئن ہو گیا تھا۔ اس کے ضمیر پر جو بوجھ تھا اس سے بلا آخر اسے چھٹکارہ مل گیا تھا۔ اس نے شادی میں شرکت کی تھی۔ صفا کو وہ نہیں لے کر گیا تھا وجہ بچے کی پیدائش تھی۔ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا وہ بہت خوش تھا۔ سب نے اس سے ٹریٹ وصول کی تھی شوکت نے تو دیکھتے ہی اسے چھوٹے ژویزان کا نام دیا تھا۔ اس کا نام انہوں نے زیان رکھا تھا۔ یہ نام شوکت نے ہی رکھا تھا۔ اور یہ دعوت اسے صفا کی جانب سے ملی تھی۔

زویزان کے پسندیدہ نام کو بڑے دھڑلے سے رد کر کے اس نے شوکت کے پسند کردہ نام کو پسندیدگی کی سند دی تھی۔ وجہ اس نے یہ بتائی تھی کہ چونکہ شوکت بھائی اس کی ہر بات مانتے ہیں اس لیے اس نے بھی ان کے تجویز کردہ نام کو ترجیح دی اور وہ اسے صاف صاف کہہ گئی تھی کہ چونکہ یہ صرف اس کا (صفا) بیٹا ہے اس لیے کسی کو بھی اس نام پر اعتراض کا حق نہیں تھا۔ وہ اس کی اس عجیب و غریب لوجک پر چپ رہا تھا۔

رات کو وہ بیڈ پر دراز ٹی وی دیکھ رہا تھا جبکہ وہ بچے کو سلانے میں مصروف تھی بچے کو سلانے کے بعد وہ اس

کے قریب ہو کر بولی تھی۔
"کل صبح مجھے بچے کے لیے کچھ کپڑے وغیرہ لینے ہیں کچھ روپے چاہئیں۔" اس نے فوراً" اس کا جملہ اچکتے ہوئے کہا۔
"اپنے شوکت بھائی سے کہو۔"
"کیا مطلب؟" وہ گھورنے لگی۔
"شوکت تمہاری بات مانتا ہے میں نہیں۔ بچہ تمہارا ہے میرا نہیں تو پھر میں کیوں دوں روپے۔ جب شوکت بات مانتا ہے تو اس سے کہو وہ رقم دے گا۔ پھر میرا بیٹا تھوڑی ہے تمہارا ہے تم اپنے پیسوں سے خریدو۔"
"ایک نام کیا نہیں رکھا تمہاری پسند کا تم تو انتقام پر ہی اتر آئے۔ میں شوکت بھائی سے کہوں گی کہ تم اس سے جیلس ہو توبہ کتنے دوغلے ہو۔ ان کے سامنے کتنے میٹھے بنے رہتے ہو جیسے تمہیں ان کے علاوہ دنیا میں کوئی بھی عزیز نہیں اور پیٹھ پیچھے کتنے جلتے بھنتے رہتے ہو۔ تمہارے جیسا دوغلا میں نے کہیں نہیں دیکھا۔" وہ اسے اور بھی کچھ سنا رہی تھی کہ فون کی بیل بجی زویزان نے ریسیو کیا۔
"ہاں شوکت بولو۔" وہ اس کے ہاتھ سے ریسیور چھین کر بولی۔
"شوکت بھائی یہ آپ کے خلاف بول رہے تھے ابھی میرے ساتھ بہت لڑائی کی ہے۔" وہ اسے ساری بات بتانے لگی تھی جبکہ وہ چپ چاپ مسکراتے ہوئے اس کی باتیں سن رہا تھا اس نے ایک بار ریسیور لینے کی ایک مصنوعی کوشش بھی کی تھی جس پر وہ یکدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ بات کر کے اس نے فون زویزان کو پکڑا دیا۔ وہ شوکت سے بات کرنے لگا۔ اس دوران وہ مسلسل مسکراتا رہا تھا۔ اس نے اپنے دفاع میں ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔ کچھ دیر کی گفتگو کے بعد وہ فون بند کر چکا تھا۔
رات کو وہ نیند سے بیدار ہوئی ٹیبل لیمپ کی ہلکی روشنی پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے کوئی بھیانک خواب دیکھ لیا تھا خواب میں اس نے کیا دیکھا یہ اس وقت اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ اسے شدید خوف محسوس ہوا تھا پھر خوف کے باعث رونے لگی۔ روتے روتے اس کی نظر گہری نیند میں ڈوبے زویزان پر پڑی کسی نادیدہ حس کی بیداری کے باعث اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کروٹ لے کر اس نے جوں ہی اسے بیٹھے اور روتے دیکھا تو یکدم سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے تشویشناک انداز میں بولا۔
"کیا ہوا؟" وہ مزید رونے لگی۔
"صفا تم سے کہہ رہا ہوں کیا ہوا۔ صفا پلیز بتاؤ مجھے۔" وہ اس کے چہرے پر رکھے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے چہرے کو جھانکنے لگا تھا۔
"نیند میں ڈر گئی ہو۔ صفا پلیز بتاؤ نا نیند میں ڈر گئی ہو۔" اس کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ قدرے ریلیکس ہو کر بولا۔
"میں تو ڈر گیا تھا کہ جانے کیا بات ہے۔" پھر کہنے لگا۔
"میں تمہارے لیے پانی لینے جا رہا ہوں۔" سائیڈ ٹیبل پر رکھا خالی جگ اٹھا کر اس نے اٹھتے ہوئے کہا لیکن اس نے فوراً" ہی اس کا شرٹ کھینچ کر اسے واپس بٹھایا۔
"تم بیٹھو یہاں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" اس کی آواز دھیمی اور خوف سے بھرپور تھی۔
"ڈر لگ رہا ہے۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جمائے پوچھ رہا تھا۔
"ہاں۔"
"کیوں؟"
"پتہ نہیں۔" آواز دبی دبی تھی۔
"میں ہوں نا پھر کیوں ڈر رہی ہو۔" وہ اسے خود سے لگاتے ہوئے بولا۔ پھر وہ کافی دیر تک اس کے پاس بیٹھا اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے شانے پر سر رکھے سو گئی تھی۔ اسے بیڈ پر لٹانے کے بعد وہ خود بھی سو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سنو میں ایک بات کہوں تم برا تو نہیں مانو گے۔"
"کہو۔" وہ ٹی وی پر نیوز دیکھ رہا تھا اس کی بات پر اس نے ٹی وی کا والیم کم کر دیا تھا۔ ہاتھ صوفے کی پشت پر اور ٹانگیں ٹیبل پر پھیلائے وہ اپنے قریب اسے بیٹھتے دیکھ کر مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا۔
"ہم کہیں باہر نہ چلے جائیں کسی دوسرے ملک۔ یہاں رکھا ہی کیا ہے۔ اور پھر زیان کی باہر اسکولنگ بھی اچھی ہو جائے گی۔ اور پھر ہم جس ماحول میں رہ رہے ہیں۔۔۔"
اس نے دیکھا تھا وہ گہری سنجیدگی چہرے پر لیے اسے جامد و ساکت نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
"چائے نا ؤ۔" کچھ دیر بعد اس نے سخت و برہم انداز میں کہا تھا۔
"میری بات کا جواب نہیں دیا تم نے۔" وہ بھی ڈھیٹ پن کی ساری حدیں کراس کرنے لگی تھی۔
"اس قدر فضول بات کا جواب نہیں ہے میرے پاس۔ میرا دماغ چاٹنے کی کوشش مت کرو۔ تم ان سب پر یہ ثابت کروانا چاہتی ہو کہ میں بزدل ہوں ڈر کر ملک سے بھاگ گیا ہوں۔ اب تم فضول سوالات بند کر دو۔" وہ بڑی درشتی سے کہہ رہا تھا۔
"اپنے بیٹے کے لیے بھی ایسا نہیں کرو گے۔"
"پلیز فضول کی ٹینشن کری ایٹ مت کرو۔" وہ چلایا۔
"یہ فضول کی بات نہیں ہمارے مستقبل کی۔"
"یہاں آنا ہی فضول ہے میرا دماغ خراب ہے جو یہاں چلا آتا ہوں۔" وہ غصے سے بھڑکتے ہوئے اٹھ کر نیچے قالین پر رکھے کشنز کو پاؤں سے ٹھوکر مارتا باہر کی جانب قدم بڑھانے لگا وہ اس کے پیچھے بھاگ کر اس کو بازو سے تھامے روک چکی تھی۔
"پلیز کچھ نہیں کہہ رہی۔ اب کبھی یہ بات نہیں کروں گی۔" وہ آنکھوں میں نمی لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اپنا بازو جھٹکے سے چھڑا کر واپس ہو کر اس نے اپنے کمرے میں جا کر زور سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ سگریٹ سلگائے دھواں اڑا رہا تھا۔ وہ قریب جا کر بولی۔
"میری بات نہ مان کر تم مجھ پر اچھی طرح جتا رہے ہو کہ میں تمہارے لیے کیا حیثیت رکھتی ہوں۔ میں جانتی ہوں اپنی حیثیت اس لیے اب میں یہ سوال بار بار بکواس ہرگز نہیں کروں گی۔" وہ تلخی سے کہہ کر گلاس ونڈو کے پاس جا کر باہر لان میں کھلے گلابوں کو دیکھنے لگی تھی۔ اس وقت اس کی نظریں بظاہر گلابوں پر جمی تھیں لیکن اس کا دھیان جیسے ان گلابوں کے حسن و خوب صورتی پر تھا ہی نہیں۔
"تمہاری حیثیت کیا ہے بتاؤ مجھے۔" وہ اس کی پشت پر کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ خاموش تھا۔
"کیا ہے تمہاری حیثیت۔" اب کی بار وہ تیز آواز میں چلایا تھا۔
"ایک بے آسرا اور بے سہارا لڑکی بس۔" وہ پر نم آنکھیں لیے بغیر مڑے بہت دھیمے لہجے میں کہہ گئی تھی۔
"کیوں کہا تم نے کہ تم میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ زویزان کو کچھ بھی کہو پر خود کو کچھ بھی نہیں کہنا سمجھیں تم۔ آئندہ تم ایسا نہیں کہو گی ایسا کوئی بھی جملہ جو زویزان کے دل کو برا لگے۔ صفا میری ہے اس لیے وہ بے سہارا نہیں ہے۔ سن رہی ہو تم۔" وہ اسے ہاتھ سے کھینچ کر اپنے سامنے کرتے ہوئے بولا تھا۔
"کیوں کیا تم نے ایسا۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ میں تمہیں چاہتا نہیں۔" اس کی آواز میں عجیب سا تاثر تھا جسے وہ کوئی نام نہ دے سکی۔
"تمہیں شک ہے مجھ پر میری محبت پر پچھلے دو سالوں سے میں جھک مار رہا ہوں تم سے شادی کر کے مجھے محبت ہے تم سے، مجھے محبت ہے تم سے۔ کتنی بار کہوں یہ جملہ کہ تمہیں یقین آئے۔ کتنی بار؟ ہزار بار؟ کتنی بار۔" وہ خاموش سر جھکائے کھڑی تھی۔
"تم کیوں ہرٹ کرتی ہو مجھے کیا کروں میں تمہیں یقین دلانے کے لیے بولو کیا کروں۔" اس مرد کے الفاظ

digest novels lovers group

نے آخر اس عورت کو پگھلا دیا تھا۔

* * *

وہ تیار ہو کر فون پر کسی سے بات کرنے لگا تھا۔ جب کہ وہ تقریباً "تیار ہو کر اب اپنے بیگ میں چیزیں ڈال رہی تھی۔ زیان فیڈر پی رہا تھا۔ وہ جلدی جلدی بالوں میں برش کرنے لگی۔

"ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔" فون بند کرتے ہی وہ اس کے پاس چلا آیا۔

"بس تیار ہوں میرا بیگ اٹھاؤ اور یہ گفٹ بھی۔" وہ دونوں چیزیں اٹھا کر زیان کے پاس آیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ باہر چلا گیا۔ گفٹ اور بیگ گاڑی میں رکھوا کر وہ پھر سے اندر آیا۔

"کیسی لگ رہی ہوں۔" وہ مکمل تیار تھی اس لیے اپنی تیاری دکھاتے ہوئے وہ اس کے بالکل سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

"اچھی لگ رہی ہو اب آؤ۔" زیان کو اٹھا کر اس نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اچھی نہیں لگ رہی۔" وہ اس کے سامنے آکر بولی تھی۔

"لگ رہی ہو اور کیا کہوں۔" وہ بے بسی سے کہہ گیا تھا۔

"میری قدر ہی نہیں جب نہیں ہوں گی نا تو تب قدر آئے گی میری۔" وہ گلہ کرتی اس کے گلے میں بانہیں ڈال گئی تھی۔

"صفا دیر ہو رہی ہے۔" وہ اسے خود سے ہٹاتے ہوئے جلدی سے باہر آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ وہ باہر آئی وہ سب گاڑی میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ڈرائیور کے ساتھ ریحان بیٹھا تھا۔ جبکہ شوکت ڈور کے ساتھ بیٹھا زیان کو گود میں لیے ہوئے تھا شوکت کے ساتھ ہی زویزان بیٹھا ہوا تھا اس کے آنے پر اس نے اس کے لیے دروازہ کھولا تو وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ ڈرائیور گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ شوکت راستہ بھر زیان کو گود میں لیے اس کے ساتھ باتیں کیے جا رہا تھا۔ وہ سب شاہ پور جا رہے تھے ان کا ارادہ وہاں چند دن رہنے کا تھا۔ اچانک ایک گاڑی ان کی گاڑی کے قریب آئی اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچتے سمجھتے یکدم سے تڑتڑ کی آواز سڑک پر گونجنے لگی۔ دائیں جانب بیٹھے شوکت اور زیان ان گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔ پھر کیا کچھ ہوتا رہا اسے یاد نہ تھا بس اس کو یاد تھا کہ اس نے ڈرائیور کو گاڑی تیز کرنے کا کہا تھا۔ جبکہ صفا کو وہ پہلے ہی جھکا چکا تھا۔ ریحان بھی برابر فائر کرتا رہا تھا۔ گاڑی تیزی سے ٹرن لے کر مڑی تھی ان کا پیچھا چھوڑ کر وہ چلی گئی تھی۔

"جلدی کرو۔" ڈرائیور کے کانوں میں زویزان کی آواز گونج رہی تھی۔ ہسپتال کے سامنے رکتے ہی ریحان تیزی سے نکلا تھا اور ان کی طرف کا دروازہ کھول کر صفا کو نکالا تھا۔ صفا کے نکلتے ہی وہ تیزی سے اتر کر دوسری جانب آیا شوکت کی قمیص سرخ تھی جبکہ اس کی گود میں بیٹھا زیان پہلے ہی بے حس و حرکت تھا۔

* * *

اس کی نگاہیں حد نگاہ تک پھیلے برف کی سفید چادر پر تھیں لیکن اس کی دماغ کی اسکرین پر گزرنے واقعات کی تصویریں بڑی برق رفتاری سے چل رہی تھیں۔ انسان جب تہی دامن رہ جاتا ہے تو پھر اس طرح کی تصویریں ذہنی اسکرین پر چپک ہی جاتی ہیں تب انسان کی زندگی لفظ "کاش" سے شروع ہو کر لفظ "کاش" پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ بھی اب اسی لفظ کے سہارے جی رہا تھا۔ جو فیصلہ اس نے بعد میں کیا کاش پہلے کرتا۔ کاش ایسا نہ کرتا تو ایسا نہ ہوتا۔ کاش کاش اس کا ذہن انہی سوچوں کی آماجگاہ بنا اسی کو مورد الزام ٹھہرا رہا تھا۔ اب اس کی نگاہیں کرسٹوفر پر جمی تھیں جو بیلچہ اٹھائے اپنے گھر کے سامنے سے برف ہٹا رہا تھا تاکہ آنے جانے میں زیادہ دقت نہ ہو۔ اس کی سوچ کچھ پل کے لیے منتشر ہو گئی تھی۔

"چائے۔" کسی کی آواز پر اس نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا۔ اسے دیکھ کر اس کے چہرے پر اک دوستانہ سی مسکراہٹ ابھری تھی پھر اس کا ہاتھ کپ کی طرف بڑھا تھا۔ "تھینک یو اس وقت اسی کی ضرورت محسوس ہو

رہی تھی۔"

"مجھے پتا تھا اس لیے لائی ہوں۔" اس نے بھی سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو۔" اس کے پلٹ کر جانے پر وہ بے ساختہ پکار بیٹھا تھا۔

"کام ہے کوئی؟" اس نے بھی سوال کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کچھ کام ہے مجھے پھر آتی ہوں۔" اس کے نہیں کہنے پر وہ یہ کہہ کر چلی گئی۔ وہ ایک بار پھر مڑ کر باہر دیکھنے لگا۔ ایک بار پھر ذہن انہی سوچوں کے گرداب میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ اس کی شوخی شگفتگی چھین کر اس مرد نے اسے دیا بھی تو کیا سنجیدگی، بربادی، خاموشی، کیا پایا اس نے اپنی زندگی میں سب کچھ کھو دیا۔ ماں باپ، بھائی، پھر عزت جو ایک قتل جیسے گناہ کبیرہ کی بدولت وہ کھو بیٹھا تھا اگرچہ قصاص اسلام میں جائز ہے پر اسلام تو معافی اور درگزر کا بھی درس دیتا ہے۔ اب وہ صحیح اور غلط کو سوچ رہا تھا۔ اس نے بھائی جیسا دوست (شوکت) کھو دیا۔ اپنا خون اپنے جگر کا ٹکڑا کھو دیا اب کیا بچا تھا پچھتاوا 'الاؤ' ایک بار پھر اس کے سینے میں جلن ہونے لگی تھی۔ اس سے پہلے کہ یہ جلن کچھ اور بڑھتی کہ وہ چلی آئی۔

"ابھی تک چائے نہیں پی۔" اس نے اس کے بھرے کپ کو دیکھ کر کہا تھا۔

"نہیں۔" اس نے گہری سوچوں سے نکل کر جواب دیا تھا۔

"تم ہر وقت جو سوچتے رہتے ہو کیا لگتا ہے اس سے سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔" وہ اب بالکل عام انداز میں کہتے ہوئے بیڈ پر نیم دراز ہو کر کمبل اپنی ٹانگوں پر ڈال چکی تھی۔ وہ اس کی بات پر کچھ سوچتا اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

"نہیں، نہیں ہو سکتا اس لیے تو۔"

"جو ہوا اسے بھول جاؤ ہم کینیڈا ایک نئی زندگی کی شروعات کرنے آئے ہیں پچھلے دو سالوں سے تم جو پچھتاووں میں گھرے ہوئے ہو اس سے چھٹکارا پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ جو کچھ ہوا اسے تقدیر کا لکھا سمجھ کر اور آگے سب ٹھیک کرنے کا سوچ کر تم ایک نئی زندگی کی شروعات کرو۔ میں بھی سب کچھ بھولنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کیونکہ اس کے سوا ہمارے پاس کوئی دوسرا چارہ نہیں ہے۔ میں تمہیں اداس نہیں دیکھنا چاہتی۔" وہ رونے لگی تھی۔

"ہر گزرتے دن کے ساتھ میں یہ سوچتی ہوں کہ آج شاید آج تم سب کچھ بھول کر مجھے اور خود کو ایک پل بھر خوشی ہی دے ڈالو پر ایسا نہیں۔ ہر گزرتا دن تمہیں زندگی سے اور دور کرتا جا رہا ہے۔ جو کچھ ہوا اس میں اللہ کی مصلحت ہو گی۔ میں تم سے خفا نہیں ہوں۔ اگر تم نے اس وقت میری بات نہیں مانی تو اب تو مان چکے ہو اب تو چھوڑ چکے ہو سب۔ کیا اب ہم کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔ کیا اب ہم کبھی خوش نہیں رہیں گے۔ بس زندگی ہمارے لیے اتنی ہی تھی۔ جو کچھ ہوا میں اسے بھیانک خواب سمجھ کر بھول جانا چاہتی ہوں۔ پر تم، تمہارا رویہ مجھے سب کچھ پوری جزئیات کے ساتھ یاد دلاتے رہتے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ خوش رہنا چاہتی ہوں۔ میں بس۔"

وہ شدت سے رونے لگی تھی جبکہ پاس بیٹھا زویزان اسے گلے لگاتے ہوئے اسے نئی زندگی کی شروعات کی امید اور اپنی بھرپور محبت کا یقین دلانے لگا۔ کمال اس مرد کی شخصیت میں تھا یا اس کی باتوں میں وہ عورت ہمیشہ اس کی دسترس میں رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ مردانی والہانہ محبت کا اظہار کر رہا تھا جس سے وہ عورت آخر پگھل گئی تھی۔ پچھتاوے زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں اس مرد کی ذات کا ایک حصہ اگر پچھتاوا تھا تو دوسرا حصہ صفا تھی وہ اسے کسی بھی قیمت پر نہیں کھونا چاہتا تھا اس لیے وہ اب زندگی کا استقبال کرنے لگا تھا۔

digest novels lovers group